قُربانی
مُفکّرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ
يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا
اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ
الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾

(سُورۃُ الحج، آیت ۲۷۔۲۸)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے۔ پیادہ بھی اور دُبلی اُونٹنیوں پر بھی جو کہ دُور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی، تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایّامِ مقرّرہ میں اِن چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا کئے ہیں۔ سو جانوروں میں سے خُود بھی کھاؤ اور مُصیبت زدہ مُحتاج کو بھی کھلاؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُربانی، صدقہ، بھینٹ، فدیہ، بلیدان اور ذبیحہ وغیرہ جذبۂ ایثار کے اظہار کے لئے جان و مال کی قُربانی دینا ایک پُرانی رسم ہے۔ پہلے وقتوں میں جانوروں کے علاوہ اِنسانوں کی بھی قُربانی دی جاتی تھی۔ فراعنہ دریائے نیل کی طُغیانی کے لئے ہمیشہ ایک دوشیزہ کو دُلہن بنا کر لہروں کے حوالے کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی ایّامِ قحط میں دریائے نربدا میں دوشیزاؤں کا بلی دان دیا جاتا تھا۔ طُوفان، بادو باراں، اور "وبا" و دیگر آفاقی حوادث کو دفع یعنی دُور کرنے کے لئے ہمیشہ اِنسانی قُربانی دی جاتی تھی۔ کبھی معبُودوں اور نیک دیوتاؤں کی خُوشنودی کے لئے اور کبھی بدی کے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے، قُربان گاہوں میں قُربانی کا رواج رہا ہے۔

رابرٹ اسمتھ کے خیال میں قُربانی کی رسم قدیم تہذیب کی اساس تھی۔ وہ کہتا ہے کہ قُربانی وہ نذرانہ یا تُحفہ تھا جو قدیم زمانے کے لوگ اُن دیوتاؤں اور دیویوں کو پیش کرتے تھے جو اُن کے عقیدے کے مُطابق اُن کے مُقدّر پر تسلُّط رکھتے تھے۔ وہ قُربانی دے کر اُن کی خُوشنودی حاصل کیا کرتے تھے۔ لہُو کو حیات اور توانائی کی علامت سمجھتے تھے۔ چُنانچہ نفس کا معنٰی، حیات بھی ہے اور لہُو بھی۔ جیسا کہ نفاس سے ظاہر ہے۔ چُنانچہ لہُو کا کھانا ممنُوع ٹھہرا اور ذبیحہ کا رواج عام ہُوا۔

ذبیحہ کا خون بتوں پر چھڑکتے تھے تاکہ دیوتاؤں کی توانائی بحال رہے۔ جسمانی اور اخلاقی پاکیزگی کے لئے بھی خون بہاتے تھے۔ کوئی بھی شخص سائی بیلی دیوی کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا تو ایک گڑھے میں ننگا بٹھا دیتے تھے پھر گڑھے کے کنارے بیل ذبح کرتے، جس کا خون اس شخص پر گرتا اور وہ پاک ہو جاتا۔ متھرا مت والے بھی خون سے بپتسمہ لیتے تھے۔ قول و قرار و عہد و پیمان لیتے وقت ایک دوسرے کے بازو پر چر کہ لگا کر لہو پینے کا رواج عام تھا۔ جادوگر ٹونے ٹوٹکے خون سے لکھتے رہے ہیں۔ ایک دفعہ شاہ قسطنطین بیمار ہوا جب بیماری نے طول پکڑا تو ایک درباری نے مشورہ دیا کہ جہاں پناہ کسی کنواری لڑکی کے خون سے غسل کریں تو شفایاب ہو جائیں گے۔ ہنگری کی شہزادی باتھوری اپنے شباب کو بحال رکھنے کے لئے نوجوان لونڈیوں کے خون میں نہایا کرتی تھی۔ قدیم یونان میں فتح حاصل کرنے کے لئے لڑائی چھڑنے سے پہلے کسی کنواری لڑکی یا گھوڑے کی قربانی دی جاتی تھی۔

اسلام میں قربانی؟

قربانی جو ایامِ حج میں مکہ سے مربوط ہے باقی دنیا سے نہیں۔ حج کا مقصد یہ ہے کہ

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ○

(سورۃ المائدہ، آیت ۹۷)

کعبہ کو ہم نے واجب الاحترام بنایا تاکہ انسانیت کا قیام ہو (وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو)

جب لوگ یہاں جمع ہوں تو اُن کے کھانے پینے کے انتظام کے بارے میں بتایا کہ جتنے دن یہاں قیام کرنا ہے تو کھانے پینے کا انتظام بھی کرنا پڑے گا کیونکہ مکہ ایک غیر ذی زرع زمین تھی یہاں زراعت وغیرہ تو تھی ہی نہیں۔ اس لئے یہاں آنے والوں سے کہا کہ کھانے پینے کا انتظام اُن کو خود کرنا ہوگا۔ ربّ نے فرمایا کہ جن جانوروں پر تم جاتے ہو یا مال برداری کا کام لیتے ہو انہیں وہاں ذبح کرو خود بھی کھاؤ اور محتاجوں، ضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔

قربانی کا لفظ قُرب سے بنا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس سے اللہ کا قُرب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ سے قُرب و بعد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی نسبتوں سے بلند ہے۔ اس سے فاصلہ کے اعتبار سے قریب ہونے کے کچھ معنی نہیں اللہ کا فرمان ہے کہ

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴

(سورۃ الحدید، آیت ۴)

تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝۱۶

(سورۃ ق، آیت ۱۶)

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اُس کے دل میں گزرتے ہیں ہم اُن کو جانتے ہیں اور ہم اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِس وقت حج کے موقع پر حاجی مکہ میں جو جانور ذبح کرتے ہیں اُسے بھی قُربانی کہا جاتا ہے۔ ایک ایک حاجی متعدد جانور ذبح کرتا ہے جسے گڑھے کھود کھود کر دبانا پڑتا ہے۔ اور عید کے موقع پر تمام غیر عرب مسلمان اپنی اپنی جگہ پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ اسے بھی قربانی کہا جاتا ہے۔ قُرب بعید کی ضد ہے۔ قرآنِ کریم میں مادہ ہے۔ قُرب بقُربان، قُربانا۔ لیکن قُربانی کا لفظ نہیں ہے۔ نہ ہی حج کے موقع پر جانور ذبح کرنے کو قُربانی کہا ہے۔

پھر جس جانور کا گوشت کسی کے کھانے کے کام نہ آئے اُسے قربانی نہیں کہا جا سکتا۔ حج کی تقریب پر جانوروں کو ذبح کر کے اُنہیں مٹی میں دبا دیا جاتا ہے۔ یہ منشائے الٰہی کے یکسر خلاف ہے۔ دو چار سال تک سعودی گورنمنٹ افغان مہاجرین کے لئے گوشت بھیجتی رہی ہے مگر اس پر خرچہ زیادہ آتا تھا لہٰذا یہ سلسلہ بھی بند کر دیا گیا۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ تمام عرب ڈنمارک، ناروے، ارجنٹینا اور آسٹریلیا کے گوشت پر زندہ ہیں۔ کیا ایامِ حج میں ذبح کیا ہُوا گوشت محفوظ نہیں کیا جاسکتا تاکہ کم از کم عربوں کے کام آئے؟ قرآنِ کریم نے اِن جانوروں کو ھدیٰ بھی کہا ہے جو ہدیہ سے بنا ہے یعنی تحفہ۔ عربوں کے ہاں بہترین تحائف جانور تھے۔ اِس لئے وہ جانوروں کو بطورِ تحفہ پیش کرتے تھے، لیکن ضروری نہیں کہ تحائف صرف جانور ہی ہوں۔ جو بھی میسر آئے اُسے بھیج دے۔ ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ عازمِ عمرہ ہُوئے تھے اور قُریش مکہ نے اُنہیں حدیبیہ کے مقام پر روک دیا تھا تو اِس ضمن میں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۝

(سورۃُ الفتح، آیت ۲۵)

یہ (قُریش مکہ) وہ لوگ ہیں جنھوں نے کُفر کیا اور تم کو مسجدُ الحرام سے روکا۔ نیز قُربانی کے جانور (ھدیٰ) کو روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک نہ پُہنچ سکیں۔

فرمایا

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۝

(سورۃُ المائدہ، آیت ۹۵)

قُربانی کے جانوروں کو کعبہ تک پُہنچایا جائے۔

اِس سے صریحاً واضح ہے کہ ھدایہ یعنی قُربانی کے جانوروں کو کعبہ تک پُہنچانا ہوگا۔

اِس سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پُہنچ جاتی ہے کہ اِن جانوروں کو ذبح کرنے کا ایک خاص مقام ربّ کی طرف سے مُتعیّن ہے۔ وہ بھی اِس لئے کہ حاجت مندوں کے کھانے کا اِنتظام ہو سکے۔ مگر آج سعودی حکومت کے کارندے ذبیحہ کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے بلکہ گڑھا کھود کر دفنا دیتے ہیں۔ ایک سعودی کے مطابق یہ بیکار نہیں جاتے کچھ عرصہ بعد یہ کھاد بن جاتے ہیں اور مزرع (کھیتی) کے کام آتے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں ریالوں کے خریدے ہوئے بکرے کھاد کے کام آئیں چہ خوب۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بقا اُس عمل کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ۝

(سُورۃُ الرّعد، آیت ۱۷)

زمین پر بقا اُس کو حاصل ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

عام عرب قربانی نہیں کرتے کیونکہ ہر عرب قرآن یا عربی زبان سے بخوب واقف ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ رب کی کیا منشا ہے۔ مگر سعودی حکومت اِس مسئلے پر خاموش ہے۔ کیونکہ اِس قربانی کے سبب سعودیہ کے اہلُ البادیہ کروڑوں ریال کما لیتے ہیں۔ سعودیہ صحیح مسئلہ بتا کر اپنے عوام کی کمائی کے اِس ذریعے کو ختم نہیں کرنا چاہتا اور ہمارا مولوی قربانی کی حقیقت بیان کر کے کھال سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔

قربانی واجب نہیں

یہ تسلیم کہ ذوالحج کی ۱۰ تا ۱۳ تاریخ کا ذبیحہ رسمی وجود رکھتا ہے تاہم واجب نہیں ہے بلکہ اُمتِ مسلمہ کے قدآور صحابہؓ، تابعین و دیگر اعلام مفکرِ اسلام، اِسے زیادہ سے زیادہ پسندیدہ رسم کہتے تھے۔ مثلاً صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، بلال حبشیؓ، ابو مسعود بدریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد فقہ حنفی کے ستون نمبر ایک امام ابو یوسف، ستون نمبر دو امام محمد، ستون نمبر تین امام طحاوی، امام زیلعی حنفی، امام علقمہ، امام اسود، امام مکہ عطا بن رباح، محدث ابن

اِسحاق، اِمام ابُو ثور، اِمام ابراہیم کلبی، اِمام ابنُ المنذر، اِمام داؤد ظاہری، اِمام بُخاری، اِمام دارمی سعید بن جُبیر اِمام سُفیان ثوری (ایک روایت میں) اِمام عُبیدُاللہ بن الحسن، ابُو سُلیمان خلیدُ العصری، اِمام شعبی، اِمام حسن بصری، اِمام طاؤس ابُو الشعثا، جابر بن زید اِمامُ الاحناف ابراہیم نخعی، اِمام باقر سعید ابنُ المُسیب، اِمام سُفیان بن عیینہ اور اِمام ابنِ حزم الظاہری وغیرہ۔

علامہ رحمتُ اللہ طارق فرماتے ہیں میرا مشاہدہ ہے کہ ہم چند ساتھی بغداد میں مقیم تھے۔ حج پر جانا تھا، براستہ بغداد مگر راستہ بند ہونے کی وجہ سے ہم اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے۔ اِس اثناء میں عید سر پر آ گئی۔ نماز تو ہم سے چھوٹ گئی قربانی کا ارادہ کیا ہم نے ایک عربی سے بکرا منڈی کا پوچھا، اُس نے کہا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا قربانی کرنی ہے۔

اُس نے کہا یَا غشیم...... اے مورکھ یہ بغداد ہے، مکہ نہیں ہے! قربانی حدودِ حرم کے باہر نہیں ہوتی۔ عربی کے اِس جواب پر ساتھی بڑا حیران اور میں خفیف ہوا کہ اُن میں نسبتاً میں پڑھا لکھا تھا مگر حدودِ حرم سے باہر قربانی نہ کرنے کا مجھے خیال ہی نہ رہا۔ دوستو! یہ میرا بیانِ حلفی ہے اِس میں غلط بیانی ہے نہ بدنیتی۔

کچھ حضرات کو جب قربانی کی حقیقت بتا دی جائے تو کہہ دیتے ہیں ہم تو سنتِ ابراہیمیؑ ادا کرتے ہیں، اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ ابراہیم علیہِ السَّلام تو اپنے فرزند اسماعیل علیہِ السَّلام کی قربانی دے رہے تھے۔ سنتِ ابراہیمیؑ ادا کرنے والے اپنے اپنے بیٹوں کو لٹا لیں اگر بچ گیا تو ٹھیک ورنہ قربان ہو جائے گا۔ ویسے یہ بھی توہینِ پیغمبر ہے کہ ایک طرف فرزندِ نبیؑ، بنی اسرائیل کا جلیلُ القدر پیغمبر

دُوسری طَرف چند رُوپے کا ذَبح، یعنی پَیغمبر کا رُتبہ آپ دُنبے سے مِلا رَہے ہیں؟ یہ تو اِسماعیل عَلَیہِ السَّلَام کی بے حُرمتی ہے۔ حَضرت اِبراہیم عَلَیہِ السَّلَام نے اللہ سے ایک صالح اَولاد کے لئے دُعا کی تھی جو قبُول ہوگئی۔ فَرمایا۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾

(سُورۃُ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۱ تا ۱۰۷)

سو ہم نے اُسے ایک مُتحمّل مزاج بیٹے کی خُوشخبری دی۔ جب وہ بیٹا (یعنی حضرت اِسماعیلؑ) اِس عُمر کو پہنچا کہ اَپنے باپ (اِبراہیمؑ) کا ہاتھ بٹانے لگے تو ایک دِن باپ نے کہا کہ اَے بیٹے! مَیں دَیکھتا ہُوں کہ مَیں تُم کو (بہ اَمرِ اِلٰہی) قُربان کر رَہا ہُوں تو تُم بھی سوچ لو کہ تُمھاری کیا رائے ہے، بیٹے نے کہا کہ اَبّا جان آپ کو جو حُکم مِلا ہے اُس کی تعمیل کیجئے اِنشاءَ اللہ آپ مُجھ کو صابرین میں سے پائیں گے پس جب دونوں نے اِظہارِ اِطاعت کیا اَور باپ نے بیٹے کو کنپٹی کے بَل لِٹا دِیا تو اُس وَقت ہم نے آواز دی کہ اَے اِبراہیم تُم نے بے شک اَپنے خواب کو سچّا کر دِکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اَیسا ہی صِلہ دیتے ہیں۔ بِلا شُبہ یہ صَریح آزمائش تھی۔ اَور ہم نے ایک بڑی قُربانی کو اُن کا فِدیہ دِیا۔

یہ اللہ کی طَرف سے اِبراہیمؑ پر اَنعام تھا جو اُن پر کیا گیا تاکہ وہ اَپنی صلاحیتوں کو آزمائیں۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اَور ہم نے اُسے (اِسماعیل عَلَیہِ السَّلَام) کو ذِبحِ عَظیم کے لئے بچا لیا یعنی اِبراہیم عَلَیہِ السَّلَام نے جو خواب دَیکھا تھا وہ دُرُست تھا کہ رَبّ اُن سے بیٹے کی قُربانی طَلب کر رَہا ہے لیکن وہ قُربانی کا اَصل مَطلَب نہیں سمجھے، وہ بیٹے کو ذِبح کرنے کا سمجھے جب کہ رَبّ کا اِشارہ ذِبحِ عَظیم کی طَرف تھا۔ آیت (۱۰۷) میں بتایا کہ ہم نے اُنہیں بچا لیا ذِبحِ عَظیم کے لئے۔ اَب ہمیں یہ دَیکھنا ہے کہ وہ ذَبیحہ عَظیم کیا تھا؟

اُس وَقت کے جَزیرۂ عَرب میں اِرد گِرد کی آبادِیاں بھی شامِل تھیں یہاں تین صحرا تھے بدُو یعنی اَہلُ البادِیہ اُونٹ، بھیڑ، بکریوں کے ساتھ ہمیشہ نَقلِ مکانی کرتے رَہتے تھے جہاں ہریالی دَیکھی خیمے کھڑے کر دِیے۔ یہاں شَدید گرمی پڑتی تھی۔ یہاں رَیت کے طُوفان اُٹھتے تھے، جب بارِش ہو جاتی ہے تو گھاس اُگ آتی ہے۔ سیاہ رَیگستان حَرات، یہاں اَیسے بُرے بُرے پتّھر ہوتے ہیں گویا اُنہیں آگ میں جلا دِیا گیا ہو یہ سیاہ رَیگستان حُوران کے مَشرِق سے شُروع ہو کر مدینہ مُنوّرہ تک پھیلے ہُوئے ہیں۔ حِجاز ایک طَویل نشیبی زَمین ہے حِجاز ایک خُشک چٹیل مُلک ہے جس میں بہت سی وادِیاں تھیں۔ آج بھی طائف کے عِلاوہ ہر جگہ موسم نہایَت گرم رَہتا ہے۔ حِجاز کی اَہمیت اِس لئے پیدا ہُوئی کہ وہ یَمَن کو شُمالی شہروں سے مِلاتا تھا۔ حِجاز کا مَشہُور شہر مَکّہ تھا، جو ایک بے آب و گیاہ وادِی میں واقع تھا اِس میں زَمزَم کے عِلاوہ کوئی کُنواں نہیں تھا۔ حِجاز کی زَمین زَراعت کے قابِل نہیں تھی۔

وہ عَظیم قُربانی تھی بَیتُ اللہ کی تعمیر اَور پاسبانی جس کی خاطر شام کی

پُر آسائش زندگی کو چھوڑ کر خطّہ بے برگ و گیاہ حجاز میں رہائش اختیار کرنا تھا اور حرم تعمیر کرنا تھا۔ اِس یادگار واقعہ کے بعد ابراہیمؑ کو حُکمِ اِلٰہی ہُوا کہ وہ اِس مقام کو عالمگیر نظامِ اِنسانیّت کا مرکز بنائیں، چُنانچہ اِس بیتِ حرم کی تعمیر کا کام اَب خلیلُ اللہ جیسے توحید پرست اور اِسماعیلؑ جیسے پیکرِ ایثار و اطاعت فرزند کے سُپرد ہُوا۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

(سُورۃُ اِبراہیم، آیت ۳۷)

”اے ہمارے رب! میں نے (اِس عظیم مقصد کے لئے) اپنی اولاد کو لا کر بسا دیا ہے جو غیر ذی زرع ہے تیرے عزّت و ادب والے گھر کے پاس تاکہ یہ اِنفرادی نسبتوں سے بُلند ہو کر عالمگیر اِنسانیّت کی مُشترکہ جائے اَمن ہو“۔

قُربانی جیسے عظیم عمل کو نہ جانے کیوں صرف ذبحِ مویشیاں کے لئے مختص کر دیا گیا، حالانکہ قُربانی ایک علیٰحدہ عمل ہے اور جانور کو ذبح کرنا ایک الگ چیز ہے۔ جو قصائی سال کے بارہ مہینے کرتا رہتا ہے۔ شام کے سرسبز و شاداب علاقے کی سرداری کی جگہ اپنے فرزند جناب حضرت اِسماعیل علیہ السّلام کو نوعِ اِنسان کی منفعت کے لئے ایسی جگہ بسا دینا واقعی ایک عظیم قُربانی ہے۔ یہ اُن کے گلے پر

چھُری چلانے کے مُترادف نہیں تو اور کیا تھا۔ اور یہ عظیم قُربانی فریضۂ خُداوندی سمجھ کر صرف اللہ کے خاص بندے ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جیسوں میں اِتنی ہمت کہاں۔ مثال کے طور پر ایک ڈاکٹر کو حُکم دیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام و حضرت اِسماعیل علیہ السّلام کی قُربانی کی یاد میں وادیٔ غیر ذی زرع، تھر یا کسی پسماندہ جگہ میں کلینک یا ہسپتال بنا کر وہاں کے غریب اور بے سہارا لوگوں کی خدمت کرو تو وہ بے اِختیار کہے گا وہاں جا کر تو نہ صرف وہ بلکہ اُس کی اولاد تک تباہ ہو جائے گی۔ نہ وہاں بچے جدید تعلیم حاصل کر سکیں گے نہ وہاں آرام و سکون ملے گا۔ اِسکول ماسٹر تک دیہات میں اپنا تبادلہ پسند نہیں کرتے۔ واپڈا کے کسی رِشوت خور مُلازم پر جُرم ثابت ہو جائے تو اُسے سزا کے طور پر دیہات بھیج دیا جاتا ہے حالانکہ ہمارے دیہات اُس وقت کے مکّہ سے رنگینی اور شادابی میں بہتر ہیں۔

قارئینِ کرام! یہ تھی وہ عظیم قُربانی جس کے لئے حضرت اِسماعیل علیہ السّلام کو بچا لیا گیا تھا۔

(ادارہ)

☆☆☆☆☆

قُربانی

از علّامہ غُلام احمد پرویزؒ

قُربانی کی دِینی حیثیت

سوال: براہِ کرم مُطلع فرمایئے کہ عیدُالاضحیٰ کے موقع پر جو قُربانی دی جاتی ہے اُس کی دِینی حیثیت کیا ہے؟ اِس باب میں ذرا جُرأت سے کام لوں، تو اُمید ہے کہ آپ بُرا نہیں مانیں گے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ قُربانی حضرت خلیلِ اکبرؑ کی یادگار ہے جسے قُرآن نے زِندہ وجاوید بنادِیا ہے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہُوں قُرآنِ کریم نے حضرت اِبراہیمؑ کے واقعہ میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تُم ہر سال اِس طرح جانور ذِبح کر کے اِس یاد کو منایا کرو۔ پھر اِس کی اَصل کیا ہے؟ مُعاف فرمایئے، اَب کیفیت یہ پیدا ہورہی ہے کہ مُسلمانوں کا کم اَز کم پڑھا لکھا طبقہ اِسے محسُوس کرتا ہے کہ اِس سے قوم کا بہت سا رُوپیہ بے کار جاتا ہے۔ لیکن اِس کے باوجُود وہ اِس اِحساس کو باہر کہیں بیان نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی شُعار ہے، اِس لئے اِس کے خِلاف لَب کُشائی جائز نہیں۔ اِس سال کی عید پر ہمارے اِقتِصادی حالات پیچیدہ تر ہوچکے تھے، بیشتر اَفرادِ مِلّت کا اَثاثہ غارت ہوچکا ہے۔ بے شُمار گھروں میں بے خانماں اَقرباء اور یتامیٰ موجود ہیں۔ اِن عوامِل کا دباؤ لامحالہ محسُوس ہوتا تھا۔ چُنانچہ اِس موقع پر اِس قِسم کی سرگوشیاں اَکثر سُنی گئیں کہ

”صاحِب میرے ہاں تو اِس قدر مُہاجر پڑے ہیں، میں اُنہیں چھوڑ کر کِس طرح قُربانی دے سکتا ہُوں؟ لیکن اِس کے ساتھ ہی وہ اَپنے آپ کو ”چور“ سا محسُوس کرتے ہیں کہ قُربانی نہ دینے سے وہ گُنہگار ہوجائیں گے۔ میں خُود بھی اِنہی ”مُجرِموں“ میں سے ایک ہُوں۔ اِس لئے یہ دریافت کرنا ضرُوری سمجھتا ہُوں کہ قُربانی کی دِینی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ہمارے سامنے جب یہ سوال آتا ہے کہ فلاں مُعاملہ کی دِینی حیثیت کیا ہے تو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اِس سے ذِہنوں میں کس طرح کشمکش پیدا ہو رہی ہے، اور ہمارے اِقتِصادی یا مُعاشرتی حالات پر اِس سے کیا اَثر پڑ رہا ہے، ہم صِرف یہ دیکھتے ہیں کہ اِس باب میں اللہ کا حُکم کیا ہے۔ یہ اَلگ بات ہے کہ جب قُرآن کا صحیح فیصلہ سامنے آجائے تو اِس سے وہ تمام ذِہنی کشمکش دُور ہوجاتی ہے جو اِنسانوں کے بنائے ہُوئے مذہب سے ہر قلبِ سلیم میں پیدا ہوتی ہے اور اِس فیصلہ سے ہمارے اِقتِصادی اور مُعاشرتی مسائِل بھی خُود بخُود اِعتدال پر آجاتے ہیں کہ اگر قُرآنْ یہ کچھ نہ کرے، تو وہ دِینِ حقّہ کیسے ہوسکتا ہے۔ لِہٰذا قُربانی کے سِلسلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اِس باب میں اللہ کا حُکم کیا ہے۔

پہلے یہ مُتعیّن کرلیجئے کہ مسئلہ زیرِ غور کیا ہے، اِس وقت صُورت یہ ہے کہ:

1. حج کے موقع پر حاجی مکّہ مُعظّمہ میں جانور ذِبح کرتے ہیں جسے قُربانی کہا جاتا ہے۔
2. ایک ایک حاجی مُتعدّد جانور ذِبح کرتا ہے، اِن جانوروں کو گڑھے کھود کھود کر دبانا پڑتا ہے۔

۳ عید کے موقع پر تمام دُنیا کے مُسلمان اپنی اپنی جگہ پر جانور ذبح کرتے ہیں، اِسے بھی قُربانی کہا جاتا ہے۔

سَوال یہ ہے کہ اِن میں سے کسی بات کا حُکم قرآن سے بھی مِلتا ہے یا یہ چیزیں یُونہی رَسماً چلی آ رہی ہیں۔

سَوال آپ کے سامنے آ چُکا، اَب دیکھئے کہ اِس باب میں قرآن کیا کہتا ہے۔ سَب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قُرآن نے اِن جانوروں کے ذِبح کرنے کے لئے کہیں ''قُربانی'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ نہ ہی اِس نے اِسے خاص طور پر قُربِ اِلٰہی کا ذَریعہ قرار دِیا ہے۔ یہ تصوّر کہ جانوروں کے خُون بہانے سے اللہ خُوش ہو جاتا ہے۔ اِس لئے قُربانی وَجہِ تقرّبِ خُداوندی ہوتی ہے، غیر قُرآنی تصوّر ہے۔

قُرآن جس تمدّنی نظام (Social Order) کی تشکیل چاہتا ہے اس کا نُقطۂ آغاز ''اَلصّلوٰۃ'' ہے اور مُنتہیٰ ''حج''۔ یَعنی مِلّت کی مَحدود وَحدتوں (Units) کی صحیح تعمیر سے شُروع کر کے پُوری کی پُوری مِلّت کو ایک مَرکزِ وَحدانیّت پر جمع کرنا، اُنھیں قوانینِ خُداوندی کے مُطابق چلانا اور اُس کے بعد اس ضابطۂ حیات کو ساری دُنیا میں نافذ کرنے کا ذَریعہ بنانا۔ حج، مِلّت کے اِس عَظیمُ القدر اجتماع کا نام ہے جس میں قُرآنی نظامِ حیات کے پروگرام پر غور و خوض کر کے اُسے نافذُ العَمل بنانے کی تراکیب کو سوچا جاتا ہے۔ اِس اِجتماع کا مَرکز ''بیتُ الحَرام'' (خانہ کعبہ) ہے جو مِلّتِ اِسلامیہ کا مَرکزِ محسُوس ہے۔ اِس عَظیمُ الشّان اجتماع کو کامیاب بنانے میں ہر کوشش مُبارک اور ہر اِقدام مَسعُود ہے۔

قُرآنی آیات

قُرآنِ کریم میں جانوروں کے ذِبح کرنے کا ذِکر اِسی اِجتماع کے سِلسلہ میں آیا ہے اور وہ آیات حَسبِ ذیل ہیں۔ (اِن آیات پر اَلگ اَلگ نمبر بھی دے دیئے گئے ہیں تاکہ آئندہ حَوالہ میں سَہولت ہو۔ نیز اِن کا ترجمہ مروّجہ ترجموں کے مُطابق ہی کر دِیا گیا ہے تاکہ یہ اِعتراض نہ پیدا کر دیا جائے کہ ہم نے (خُدا نکردہ) اَپنے مَطلب کے مُطابق مَعانی پَیدا کرنے کے لئے ترجمہ کُچھ کا کُچھ کر دِیا ہے۔

سُورۃُ الحجّ میں ہے:

1 وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾

(سُورۃُ الحج، آیت ۲۷۔۲۸)

اور لوگوں میں حجّ کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے۔ پیادہ بھی اور دُبلی اُونٹنیوں پر بھی جو کہ دُور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی، تاکہ لوگ اَپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں اور تاکہ اَیّامِ مُقرّرہ میں اِن چوپاؤں پر (ذِبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنھیں عطا کئے ہیں۔ سو جانوروں میں سے خُود بھی کھاؤ اور مُصیبت زدہ مُحتاج کو بھی کھلاؤ۔

اِن جانوروں کے مُتعلّق آگے چل کر یُوں اِرشاد ہے:

۲ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

(سُورۃُ الحج، آیت ۳۳)

اِن جانوروں میں تُمہارے لئے ایک مدّتِ مُعیّنہ تک فائدہ اُٹھانا ہے۔ اس کے بعداُن کے حلال کرنے کی جگہ بیتِ عتیق (خانۂ کعبہ) کے قریب ہے۔

اِس سے آگے ہے:

۳ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾

(سُورۃُ الحج، آیت ۳۶)

اور قُربانی کے اُونٹوں[1] کو ہم نے اللہ کے دِین کی یادگار[2] بنایا ہے۔ اِن جانوروں میں تُمہارے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تُم اُنہیں کھڑا کر کے اُن پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کسی کروٹ گر پڑیں تو تُم خُود بھی کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے مُحتاج کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے اِن جانوروں کو اِس طرح تُمہارے زیرِ حُکم کر دیا تا کہ تُم شُکر کرو۔

---

[1] جس لفظ کا ترجمہ ''قُربانی کے اُونٹ'' کیا گیا ہے وہ لفظ "بُدن" ہے۔ بُدن کے معنی ہیں موٹا، فربہ، بُدن جمع بَدَنَة کی۔ جس کے معنی فربہ اُونٹ وغیرہ ہیں جنہیں حج کے موقع پر مکّہ میں ذبح کیا جاتا تھا۔ اِس کے لئے اُنہیں فربہ کیا جاتا تھا۔

[2] شعائر کا ترجمہ یادگار کیا گیا ہے۔ اِس کا صحیح مفہوم ذرا آگے چل کر بیان ہوگا۔

اور اِس کے بعد ہے:

۴ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾

(سُورۃُ الحج، آیت ۳۷)

اللہ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خُون، لیکن اُس کے پاس تُمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اِس طرح اللہ نے اِن جانوروں کو تُمہارے زیرِ حُکم کر دیا تا کہ تُم اللہ کی بڑائی کرو۔ اُس پر جس کی اُس نے تُمہیں ہدایت کی ہے اور مُحسنین کے لئے بشارت ہے۔

یہ سُورۂ حج کی آیات ہیں، اِنہیں دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ یہ مسئلہ پیشِ نظر کے مُتعلّق کس قدر صاف اور واضح ہیں۔

آیت ۱ میں سِلسِلۂ کلام کا آغاز ہی اِعلانِ حج سے ہوتا ہے اور اِسی ضِمن میں فرمایا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرو اور اُن میں سے خُود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں کو بھی کھلاؤ۔

آیت ۲ سے واضح ہے کہ یہ وہ جانور ہیں جن سے پہلے عام جانوروں کا کام لیا جاتا ہے اِن پر سواری کر کے یا بوجھ لاد کر، حج کے لئے آیا جاتا ہے اور پھر اُنہیں حج کی تقریب پر مکّہ مُعظّمہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

آیت ۳ بھی آیت ۲ کے مضمون کی تائید کر رہی ہے۔ یعنی اِن جانوروں کے فوائد (خیر) اور اِس کے بعد ذبح کر کے خُود بھی کھانا اور مُحتاجوں کو

کھلانا (اِن کے شعائر اللہ ہونے کا بیان آگے چل کر آئے گا)۔

آیت ۴ میں اِس غلط تصوّر کا بطلان کیا گیا ہے جس کی رُو سے سمجھا جاتا تھا کہ قربانی کی حیثیت افادی نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی ہے۔ جو خون بہانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اِس لئے قربانی کے جانور ذبح کر کے چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس کے برعکس یہ واضح کر دیا گیا کہ اِن جانوروں کے ذبح کرنے سے مقصود خون بہا کر اللہ کو خوش کرنا نہیں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اُن کا گوشت تمہارے اور دیگر ضرورت مندوں کے کام آئے۔ اللہ کے نزدیک قابلِ قدر چیز تمہارا التقویٰ ہے۔ تقویٰ کی تشریح اگلے الفاظ سے کر دی جن میں بتایا گیا کہ تمہارا مقصودِ حیات یہ ہے کہ جس ضابطۂ حیات کی طرف تمہاری راہنمائی کی گئی ہے۔ اسے متشکّل اور مستحکم کرو اور اس طرح دُنیا میں قانونِ خداوندی کی عظمت اور کبریائی کو ثبت کر کے دکھا دو۔ اجتماعِ حج اِسی مقصد کے حصول کی کڑی ہے اور یہ جانور اس اجتماع میں شامل ہونے والوں کے خورد و نوش کا ذریعہ بنتے ہیں۔

شعائر اللہ

قرآن کی رُو سے دُنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ ایک وہ جو ضابطۂ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں (مسلم) اور دُوسری وہ جو اس کے علاوہ دیگر ضوابطِ زندگی کو اپنا مسلک بنائیں (غیر مسلم) قرآن اِن دونوں جماعتوں میں واضح اور غیر مبہم امتیازی خطوط قائم کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں بآسانی پہچانے جا سکیں۔ چنانچہ ہر وہ عمل یا وہ شے جو اس قسم کی پہچان کرا سکے، شعائر اللہ

کہلاتی ہے۔ شعار اس خاص نشان کو کہتے ہیں جو جنگ میں استعمال کیا جائے تا کہ اس سے اپنے رفیق اور دوست پہچانے جا سکیں۔ حج تمام دُنیا کے مسلمانوں کا مرکزی اجتماع اور یک قلبی اور یک جہتی کا عملی مظاہرہ اور ایک ضابطۂ قانون کے تابع زندگی بسر کرنے والوں کی تعارفی تقریب ہے۔ اس سے بڑا دوستوں اور رفیقوں کا اجتماع اور کون سا ہو سکتا ہے۔ اس لئے حج کے تضمنات (صفا و مروئی اور بُدن وغیرہ) کو خصوصیت سے شعائر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے سورۃ المائدہ میں ہے:

۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ

(سورۃ المائدہ۔ آیت ۲)

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو شعائر اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینے کی، نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو بیت الحرام کے مقصد سے جا رہے ہوں اور اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔

چونکہ حج سے مقصود، دُنیا میں قوانینِ خداوندی کا عملی نفاذ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نوعِ انسانی میں صحیح توازن پیدا ہو جائے گا اور اس طرح انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے گی۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں بیت الحرام کو وجہ قیامِ انسانیت قرار دیا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے تضمنات کو بھی انہی الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا:

٦ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

(سُورۃُ المائدہ۔ آیت ۹۷)

اللہ نے کعبہ کو، جو کہ حُرمت والا مکان ہے، لوگوں کے قیام کا باعث قرار دیا ہے اور عزت والے مہینے کو بھی اور حَرَم میں قُربانی ہونے والے جانوروں کو بھی اور اُن جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں۔

آیات نمبر ۱ تا ۶ کو پھر سے سامنے لایئے۔ اِن سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ قرآن کی رُو سے:

۱ قُربانی صرف حج کے موقع پر ہے۔

۲ قُربانی کا مقام مکّہ معظمہ ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

۳ قُربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔

۴ یہ سمجھنا کہ جانور ذبح کرنے سے قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، غلط ہے۔

اِن حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ:

(الف) حج کے علاوہ کسی اور تقریب پر قُربانی کا ذکر نہیں۔

(ب) مکّہ معظمہ کے علاوہ اور کسی مقام پر قُربانی نہیں۔

(ج) جس جانور کا گوشت کھانے کے کام نہ آئے اسے قُربانی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کا صرف خون بہایا گیا ہے اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسا کرنا اسراف ہے۔ یعنی بے نتیجہ اور بے مصرف ایک جانور کا ضائع کر دینا۔

فلہٰذا

۱ حج کی تقریب پر جانوروں کو ذبح کر کے مٹی میں دبائے جانا مُنشائے قرآن کے یکسر خلاف ہے اور

۲ یہ جو عید کی تقریب پر دُنیا بھر کے شہروں میں قربانیاں دی جاتی ہیں، اِن کا حُکم تو ایک طرف، کہیں ذکر تک بھی قرآن میں نہیں بلکہ یہ قرآن کے حُکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب قرآن نے قربانی کے مقام کو بالتصریح مُعیّن کر دیا ہے تو اس مُعیّن کو عام کر دینا قرآنی منشا کے خلاف ہے مثلاً قرآن نے نماز کے لئے سمتِ قبلہ کو مُعیّن کر دیا ہے اس کے بعد ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قرآنی حُکم کے خلاف ہوگا۔

اَب دیگر قرآنی حُکم دیکھئے

سُورۃُ البقرۃ میں ہے:

۷ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ۔ آیت ۱۹۶)

اور حج اور عُمرہ کو اللہ کے لئے پُورا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے روک دیئے جاؤ) تو قُربانی کا جانور جو بھی میسّر آئے (خانۂ کعبہ کو بھیج دیا کرو)

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ

(سُورۃُ البقرۃ۔ آیت ۱۹۶)

اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت مُنڈواؤ جب تک قُربانی کا جانور اپنے موقع پر پہنچ نہ جائے (اور وہ موقع حرم ہے)

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اُس کے سر میں تکلیف ہو تو اِس کا فدیہ روزے ہیں یا صدقہ یا نُسُکٍ (قُربانی)

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

پھر جب اَمن کی حالت ہو جائے تو جو شخص عُمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر دونوں سے مُتمتع ہو تو جو کچھ قُربانی میسّر ہو ذبح کرے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

پھر جس شخص کو قُربانی کا جانور میسّر نہ آئے تو اُس کے ذِمّے تین دِن کے روزے ایّامِ حج میں اور سات دِن کے جب حج سے لوٹنے کا وقت ہو۔ یہ پُورے دس ہُوئے یہ اُس کے لئے ہے جس کے اَہل وعیال کعبہ کے قریب نہ رہتے ہوں۔

اِن آیات میں یہ اِرشاد ہے کہ حج اور عُمرہ[1] میں، عام حالات میں قُربانی کا حُکم نہیں، ضرُورت کے مُطابق، باہمی مشاورت سے خُورد ونوش کے لئے جانور ذبح کئے جائیں گے۔

لیکن حسبِ ذیل اَسباب میں سے کوئی سبب پیدا ہو جائے تو هَدْيٌ یا نُسُكٍ کا حُکم ہے (اِن اَلفاظ کے معانی آگے چل کر آئے ہیں)

۱ کسی شخص نے حج یا عُمرہ کا اِرادہ کر لیا لیکن وہ محصُور ہو گیا اور خانہ کعبہ تک نہیں پہنچ سکا تو اُسے چاہئے کہ اپنے هَدْيٌ کو کسی کے ہاتھ بھیج دے۔ جب هَدْيٌ مکہ میں پہنچ جائے پھر حجامت بنوا کر احرام سے باہر نکل آئے، اس سے پہلے حجامت نہ بنوائے۔

۲ دُوسرا سبب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں (جب کہ حجامت بنوانا منع ہے) کسی تکلیف کے سبب حجامت بنوانے کے لئے مجبُور ہو جائے تو اِس کا بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا نُسُكٍ۔

۳ تیسرا یہ کہ حج اور عُمرہ ایک ساتھ کرے تو اِس صُورت میں هَدْيٌ دے اور اگر یہ میسّر نہ ہو تو دس دِن کے روزے رکھے۔

آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اِن مقامات پر صرف قُربانی کا حُکم نہیں ہے۔ سببِ اوّل کے ماتحت اِتنا بتا دیا گیا ہے کہ عازمِ حج بحالتِ

---

[1] حج تمام دُنیا کے مُسلمانوں کے نُمائندگان کی سالانہ کانفرنس ہے اور سال بھر میں وقتاً فوقتاً جو کانفرنسیں کی جائیں وہ عُمرہ ہیں۔

معذوری (محصور ہو جانے کی شکل میں) کیا کرے۔ اِس صورت میں وہ اپنے ھدیٰ کو کعبہ تک بھیج دے۔ سببِ دوم میں روزے یا صدقہ یا نُسُک کا حکم ہے اور سببِ سوم میں ھدیٰ کا حکم ہے بشرطیکہ وہ میسّر آ جائے۔ اگر میسّر نہ آئے تو پھر روزے رکھ لے۔

ھدیٰ کے معنی

اِن آیات میں ھدیٰ اور نُسُک کے الفاظ آئے ہیں۔ ھدیٰ جمع ہے ھدیۃٌ کی جس کے معنی ہیں تحفہ۔ خود قرآن میں ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ (سورۃ النمل، آیت ۳۶) اِس لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ھدیٰ صرف قربانی کے جانور ہی ہوں۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ نے اِس حقیقت کو اور بھی واضح کردیا ہے۔ یعنی تحائف میں سے جو کچھ بھی میسّر آجائے اُسے کعبہ بھیج دے تاکہ وہاں جمع ہونے والوں کے کام آئے۔ عربوں کے ہاں بہترین تحائف اُن کے جانور تھے۔ اِس لئے وہ جانوروں کو بطورِ تحائف پیش کرتے تھے۔ لیکن ضروری نہیں کہ تحائف صرف جانور ہی ہوں۔ لہٰذا آیاتِ بالا سے مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی عازمِ حج راستہ میں گھر جائے تو اپنے تحائف کعبہ بھیج دے۔ اِسی طرح جو شخص حج اور عمرہ سے اکٹھا متمتع ہو اور اُسے کوئی تحفہ میسّر آ سکے تو اُسے پیش کردے، ورنہ روزہ رکھ لے۔

نُسُک کے معنی

اِسی طرح نُسُک کے معنی بھی صرف قربانی نہیں۔ نُسُک چاندی کے خالص

ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ اخلاص کی بناء پر اِس سے مفہوم عام عبادات لیا جاتا ہے (تفصیل آگے چل کر آئے گی) پھر ذبیحہ کو بھی نُسُک کہنے لگ گئے۔

لیکن قطعِ نظر اِس کے، اگر ھدیٰ اور نُسُک سے مُراد قربانی کے جانور ہی لئے جائیں تو بھی آیاتِ بالا سے یہ واضح ہے کہ اُن کا مقام کعبہ ہی ہے اُنہیں وہیں پہنچانا ہوگا۔ (حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ) اور وہیں یہ ذبح ہوں گے تاکہ اُن سے اجتماعِ حج میں شریک ہونے والے خورد و نوش کا کام لیں۔ اِس حقیقت کو دوسرے مقام پر اور بھی واضح کردیا گیا ہے جہاں فرمایا کہ حالتِ احرام میں شکار جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص دانستہ کسی جان کا قتل کردے تو اِس کے بدلے میں اُس کی مثل ایک ایسا جانور دے جس کا فیصلہ دو صاحبِ عدل کردیں۔

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ○

(سورۃ المائدہ، آیت ۹۵)

اِس ہدیہ[1] کو کعبہ تک پہنچایا جائے۔

اِس سے بھی واضح ہے کہ ھدیہ کو کعبہ ہی پہنچانا ہوگا۔

آیاتِ بالا سے پھر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قربانی کا مقام کعبہ ہے۔ کعبہ کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں۔

[1] آیت نمبر ۲ میں اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ھدیٰ کا ترجمہ قربانی کیا ہے۔ لیکن اس مقام پر اُنہوں نے ھدیاً کا ترجمہ نیاز کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ "بشرطیکہ اسے نیاز کے طور پر کعبہ پہنچایا جائے۔" اس سے بھی ظاہر ہے کہ ھدیٰ کے معنی صرف قربانی کے جانور نہیں، بلکہ ہر وہ تحفہ ہے جسے تقریبِ حج میں پیش کیا جائے۔

قربانی کا مقام

اب ایک آیت اور دیکھیے۔ جس سے اِس حقیقت کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے کہ قربانی کا مقام خانہ کعبہ ہی ہے۔ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مدینہ سے عازمِ مکّہ ہوئے لیکن قریشِ مکّہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ حدیبیہ کا مقام تھا جہاں وہ مشہور صلح نامہ لکھا گیا جسے قرآن نے فتحِ مبین سے تعبیر کیا ہے۔ اس ضمن میں قرآنِ کریم میں ہے:

۸ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۞

(سورۃ الفتح۔ آیت ۲۵)

یہ (قریشِ مکّہ) وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجدِ حرام سے روکا۔ نیز قربانی کے جانوروں (ھدیٰ) کو روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔

ہمارے پیشِ نظر سوال یہ تھا کہ کیا قرآن نے قربانی کے مقام کو معین کر دیا ہے یا اُسے غیر معین چھوڑ دیا ہے کہ مسلمان جہاں چاہیں (اپنے اپنے مکانوں اور گلی کوچوں میں) قربانی دے دیا کریں۔ قرآن کی تمام متعلقہ آیات آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ آپ انھیں ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں اور خود فیصلہ کر لیں کہ اِس باب میں قرآن کا حکم معین ہے یا اُس نے اِس چیز کو غیر معین چھوڑ دیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ:

① آیت نمبر **۲** میں قربانی کے جانوروں کے متعلق تصریح موجود ہے کہ

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

(سورۃ الحج، آیت ۳۳)

اُن کے حلال کرنے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔

② آیت نمبر **۷** میں (اگر ھدیٰ سے مراد قربانی کے جانور لیے جائیں تو صراحت سے فرما دیا کہ:

حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۞

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

جب تک قربانی کے جانور اپنے ذبح ہونے کے مقام پر نہ پہنچ جائیں۔

③ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹۵ میں فرمایا:

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ ۞

(سورۃ المائدہ، آیت ۹۵)

قربانی کے جانوروں کو کعبہ تک پہنچایا جائے۔

④ آیت نمبر **۸** میں ارشاد ہے کہ قریشِ مکّہ نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا۔

أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۞

(سورۃ الفتح۔ آیت ۲۵)

کہ وہ اپنے ذبح ہونے کے مقام تک نہ پہنچ پائے۔

⑤ باقی آیات میں قربانی کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے۔ اِس کے علاوہ کہیں نہیں۔

اِن حَقائق کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ قرآنِ کریم کی ایسی کھلی ہوئی
صَراحت کے بعد اِس بات کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے کہ
قربانی کا مقام کون سا ہے؟ اگر قرآن صرف اتنا ہی کرتا کہ قربانی کے جانوروں
کا ذکر حج کی تقریب کے ضمن میں کر دیتا تو بھی اِس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی
دقت نہ ہوتی کہ قربانی مکہ ہی میں ہوتی ہے۔ لیکن اُس نے اتنے پر ہی اکتفا نہیں
کیا بلکہ بار بار اِس کی بھی تصریح فرما دی کہ قربانی کا مقام کعبہ ہے۔ اگر اِس کے
بعد بھی اِس باب میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ نہیں! قربانی ہر گلی
کوچے میں ہو سکتی ہے تو اِس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ جو حضرات، قرآن کی اِن تصریحات کے باوجود
قربانی کو ہر گلی کوچے میں عام کرتے ہیں اُن کے دلائل اور قرآن کی مندرجہ صدر
کھلی ہوئی حقیقت کے خلاف اُن کے اعتراضات کیا ہیں۔ اِس باب میں اِس
وقت ہمارے سامنے سید ابو الاعلیٰ مودودی[1] صاحب کا وہ مضمون ہے جس میں
اُنہوں نے سالِ گذشتہ قرآن کی مذکورہ صدر تصریحات کو "فتنہ" قرار دے کر اِن
کی تردید فرمائی تھی۔ (جو روزنامہ انجام کراچی کے عید ایڈیشن مورخہ ۴ ستمبر
۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا) اِس مضمون میں اُنہوں نے خاص طور پر یہ احتیاط برتی
ہے کہ اِس میں اِن آیات کا کوئی ذکر تک نہ آنے پائے جن میں قرآنِ کریم نے

[1] ہم نے مودودی صاحب کا نام خاص طور پر اِس لئے لیا ہے کہ اِس موضوع پر تفصیل کے ساتھ اُنہوں نے ہی لکھا تھا اور اُنہی کے اعتراضات کے جواب سے صحیح پوزیشن واضح ہو سکتی ہے۔

صَراحت سے قربانی کے مقام کو مکہ معظمہ کے ساتھ مختص کیا ہے اور جنہیں ہم
نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ اِس خصوصی احتیاط کے بعد وہ اپنے مضمون میں تحریر
فرماتے ہیں:

اعتراضات:

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ قربانی کے متعلق قرآن مجید کیا کہتا
ہے۔ کیا وہ قربانی کو صرف حج اور متعلقاتِ حج تک محدود رکھتا ہے یا دوسرے
حالات میں بھی اِس کا حکم دیتا ہے۔ اِس باب میں وہ آیتیں بالکل صاف ہیں جن
کا حج سے کوئی تعلق نہیں۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾
لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾

(سورۃ الانعام۔ آیت ۱۶۳-۱۶۴)

"اے نبی کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا
سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں
ہے۔ اِسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سرِ اطاعت خم کرنے
والا ہوں۔"

یہ آیت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جب کہ نہ حج فرض ہوا تھا اور نہ اِس کے
مراسم و مناسک مقرر ہوئے تھے اور اِس میں کوئی اِشارہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے
یہ سمجھا جائے کہ اِس حکم سے مراد حج میں قربانی کرنا ہے۔ نُسُکِی کا لفظ جو اِس آیت

میں اِستعمال کیا گیا ہے قرآن مجید میں دُوسری جگہ قُربانی ہی کے معنی میں اِستعمال کیا گیا ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

"تُم میں سے جو شخص سفرِ حج میں بیمار ہو جائے یا اُس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر مُنڈوالے تو صدقے میں روزے رکھے یا صدقہ یا قُربانی کرے۔

(مُلاحظہ ہو آیت نمبر ۷ جس میں لفظ نُسُکٍ آیا ہے۔)

مودُودی صاحب نے جس آیت کا ترجمہ کیا ہے، وہ آیت سیاق و سباق کے ساتھ اِس طرح ہے۔ فرمایا:

۹ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

(سُورۃُ الانعام، آیت ۱۶۲)

"کہہ دو۔ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ وہی دُرست اور صحیح دین ہے۔ ابراہیم کا طریقہ کہ خُدا ایک ہی کے لئے ہو جانا اور ابراہیم ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

"حَنِیْفًا" (ایک خُدا کے لئے ہو جانا) کی تشریح اگلی آیت میں یوں ہے:

۱۰ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

(سُورۃُ الانعام، آیت ۱۶۳-۱۶۴)

"کہہ دو، میری نماز، میرا نُسُکٍ، میرا مرنا، میرا جینا، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اِسی بات کا حُکم دیا گیا ہے اور میں مُسلموں میں (یعنی خُدا کے فرمانبرداروں میں) پہلا مُسلمان ہوں۔

اور اِس "توحید" کی مزید تشریح اِس طرح فرما دی کہ

۱۱ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ

(سُورۃُ الانعام، آیت ۱۶۵)

"کہئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور پروردگار ڈھونڈوں حالانکہ وہی ہر شئے کا پرورش کرنے والا ہے۔"

مودُودی صاحب فرماتے ہیں کہ اِس میں لفظ نُسُکِیْ کا ترجمہ ہے "میری قُربانی" اِس لئے اِس سے قُربانی کا حُکم ظاہر ہے۔ ہم نے مندرجہ بالا ترجمہ میں (جو ابُوالکلام آزاد صاحب کا ترجمہ ہے) لفظ نُسُکٍ کو علیٰ حالہٖ رہنے دیا ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اِس لفظ کے لُغوی معنی "چاندی کے خالص کئے ہوئے ٹکڑے" ہیں۔ اِس اخلاص کی جہت سے "عبادت گزار" کو ناسک کہنے لگے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کو چاندی کے ٹکڑے کی طرح گُناہوں کی میل سے صاف کرتا ہے۔[1]

---

[1] نُسُکٍ کے معنی زمینِ شور کو دُرست کر کے زراعت کے قابل بنانے کے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مَنسک کے معنی

قرآنِ کریم میں نُسُک، مَنسَک، مَناسِک کے اَلفاظ (اِن دو آیتوں کے علاوہ جن کا ترجمہ مودودی صاحب نے لکھا ہے) حسبِ ذیل مقامات پر آئے ہیں:

سورۃ البقرۃ میں دُعائے ابراہیمی واسماعیلی۔

۱۲ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۸)

اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

۱۳ سورۃ البقرۃ میں حج کے ضمن میں

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝

(سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۰)

چنانچہ اَرضِ ناسکہ اُس سرسبز زمین کو کہتے ہیں جس پر تازہ بارش برسی ہو۔ صلاۃ کے معنی خدا کے پیچھے پیچھے رواں دواں چلنا ہے۔ مُصلّی اُس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ میں اس انداز سے دُوسرے نمبر پر آئے کہ اُس کے کان اوّل نمبر کے گھوڑے کی پُشت کے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں۔ اِن معانی کے پیشِ نظر آیت نمبر **۱۵** کا صحیح قرآنی مفہوم سامنے آجاتا ہے لیکن یہ موقع اس تفصیل کا نہیں یہ آیت بڑی اہم ہے۔

پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) خدا کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

۱۴ - **۱۵** سورۂ حج میں

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۝

(سورۃ الحج، آیت ۳۴)

ہم نے ہر ایک اُمت کے لئے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چار پائے اللہ نے اُن کو دیے ہیں، (اُن کے ذبح کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ ۝

(سورۃ الحج، آیت ٦٧)

ہم نے ہر ایک اُمت کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی ہے۔

دیکھئے کہ اِن آیات میں اِن الفاظ کا ترجمہ مختلف مترجمین نے کیا کیا ہے۔

آیت نمبر **۱۲** "مَنَاسِكَنَا" کا ترجمہ مختلف تراجم میں اس طرح آیا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ ...... عبادات کی طرح

شاہ رفیع الدینؒ ...... طرح عبادت کی

جلالین ...... شرائع عبادتنا (یہ اُردو ترجمہ نہیں، مفہوم واضح ہے)

ابوالکلام آزاد ...... عبادت کے سچے طور طریقے

آیت نمبر **۱۳** - "مَنَاسِكَكُمْ"

شاہ عبدُالقادِرؒ ...... عِبادتیں اپنی

شاہ رَفیعُ الدّینؒ ...... عِبادتیں

جلالَین ...... عِبادَتِ حَجّ

اَبُوالکَلام آزادصاحِب ...... حَجّ کے تمام اَرکان

آیت نمبر ۱۴ - ۱۵ " مَنْسَكٌ "

شاہ عبدُالقادِرؒ ...... طَرح عِبادت کی

شاہ رَفیعُ الدّینؒ ...... عِبادت کی طَرح

جلالَین ...... شَرِیعت (سُورۃُ الحَجّ، آیت ۳۴ میں اُس کے ساتھ "قُربانِی" کی جگہ بھی آیا ہے)

اَبُوالکَلام آزادصاحِب ...... عِبادت کا طور طَرِیقہ

اِس کے بعد وہ آیت لیجئے جِسے مودُودِی صاحِب نے بَطَورِ سَنَد پیش کیا ہے یعنی " اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ " اور جِس میں اُنھوں نے نُسُكِيْ کا تَرجُمہ "میری قُربانِی" کیا ہے۔ اِس لفظ کا تَرجُمہ مَذکُورہ صدر مُتَرجِمین نے حَسبِ ذَیل کیا ہے۔

شاہ عبدُالقادِرؒ ...... عِبادتیں

شاہ رَفیعُ الدّینؒ ...... عِبادتیں

جلالَین ...... عِبادات میں حَجّ (حَجّ کی عِبادات)

اَبُوالکَلام آزادصاحِب ...... میرا حَجّ

یہ ہیں لفظ نُسُكٌ کے مَعانِی اِس آیت میں جِسے مودُودِی صاحِب نے

وُجُوبِ قُربانِی میں بَطَورِ نَصِّ قُرآنِی پیش کیا ہے اور جِس کا تَرجُمہ اُنھوں نے "قُربانِی" کیا ہے۔ شاہ عبدُالقادِرؒ اور شاہ رَفیعُ الدّینؒ اِس کے مَعنٰی "عام عِبادت" لیتے ہیں اور تَفسِیرِ جلالَین اور تَرجُمانُ القُرآن اَبُوالکَلام آزاد صاحِب میں اِس کے مَعنٰی حَجّ یا حَجّ سے مُتَعلِّقہ مَراسِم لکھے ہیں (اور وہ جو کہتے ہیں کہ جادُو وہ جو سَر چَڑھ کر بولے) خُود مودُودِی صاحِب نُسُكٌ کا تَرجُمہ "قُربانِی" لکھ کر ایک ہی سَطر بعد "مَنَاسِكَ" کے مَعنٰی "حَجّ کے مَراسِم" بیان فرماتے ہیں۔ اِن کا جو اِقتِباس اُوپر درج کیا گیا ہے، اِسے ایک بار پھر پڑھئے۔ اِس میں آپ کو یہ اَلفاظ دِکھائی دیں گے۔

یہ آیت مَکّہ مُعظّمہ میں نازِل ہُوئی ہے جب کہ نہ حَجّ فرض ہُوا تھا نہ اُس کے مَراسِم ومَناسِک مُقرّر ہُوئے تھے۔

"حَجّ کے مَراسِم ومَناسِک" لکھ کر مودُودِی صاحِب نے خُود بتا دِیا کہ "مَنَاسِكَ" کے مَعنٰی عام قُربانِی نہیں، حَجّ کے طور طَرِیقے ہیں۔ لِہٰذا اگر "مَنَاسِكَ" کے مَعنٰی خُود مودُودِی صاحِب کے اَلفاظ میں "حَجّ کے عام طور طَرِیقے ہیں" تو آیت "اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ" میں "نُسُكٌ" کے مَعنٰی عِیدُ الاَضحٰی کی قُربانِی کس طَرح کئے جا سکتے ہیں۔

اَب مودُودِی صاحِب کی دُوسری دَلِیل مُلاحظہ فرمائیے جِس میں اِرشاد ہے کہ:

"نُسُكٌ" کا لفظ جو اِس آیت میں اِستِعمال ہُوا ہے اُسے قُرآن مجید میں دُوسری جگہ "قُربانِی" ہی کے مَعنٰی میں اِستِعمال کیا گیا ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

(سُورۃُ البقرۃ، آیت ۱۹۶)

"تم میں سے جو شخص سفرِ حج میں بیمار ہو جائے یا اُس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر مُنڈوانے تو فدیہ میں روزے رکھے یا صدقہ یا قُربانی کرے"۔

اِس آیت کے الفاظ آیت نمبر ۷ میں دیکھیے۔

پہلے تو یہ دیکھیے کہ مودودی صاحب نے "نُسُكٍ" کے لفظ کے لئے قُرآنِ کریم کی صرف وُہی آیت نقل فرمائی ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ "نُسُكٍ" سے مفہوم قُربانی لیا جا سکتا ہے۔ دیگر مقامات کا (جہاں واضح ہے کہ "نُسُكٍ" یا "مَنْسَك" یا "مَنَاسِك" کے معنی قُربانی نہیں لئے جا سکتے) اُنہوں نے ذِکر ہی نہیں کیا۔

آیت نمبر ۷ میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ "نُسُكٍ" کے معنی ضروری نہیں کہ قُربانی ہی لئے جائیں۔ لہٰذا ایک ایسے مقام کو بطورِ سند پیش کرنا جس میں مختلف معانی کی گنجائش ہو، دلیلِ قطعی قرار نہیں دی جا سکتی۔ لیکن آیت نمبر ۷ میں "نُسُكٍ" کے معنی "قُربانی" ہی لئے جائیں تو وہیں یہ بھی تو موجود ہے کہ یہ حج کے احکام ہیں۔ اِس لئے اِس "قُربانی" سے مُراد وہ قُربانی ہے جو خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر دی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر "نُسُكٍ" کے معنی "قُربانی" لئے جائیں تو اِس کے صحیح معنی ہوں گے "وہ قُربانی جو حج میں کی جائے" اِس لئے کہ جب قُرآن خود کسی مفہوم کو مُتعیّن کر دے تو اِس مفہوم کو اِس طرح سے لینا چاہیے جس طرح

قُرآن بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ

① "اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ" کے معنی "میری قُربانی" نہیں۔ اِس لئے یہ آیت قُربانی کے حُکم کے لئے بطورِ نصِ قُرآنی پیش نہیں کی جا سکتی۔

② اور اگر اِس لفظ کا ترجمہ "قُربانی" ہی کرنا ہو تو اِس سے مُراد ہو گی وہ قُربانی جو حج میں کی جاتی ہے کیونکہ قُرآن کی جس آیت نمبر ۷ میں "نُسُكٍ" کے معنی "قُربانی" لئے گئے ہیں وہاں نُسُكٍ کے معنی وہ قُربانی ہے جو حج میں کی جاتی ہے نہ کہ ہر گلی کُوچے کی قُربانی۔

چُنانچہ علامہ حمید الدین فراہیؒ جنہوں نے اِس آیت "نُسُكِيْ" کے معنی "میری قُربانی" کیے ہیں، فرماتے ہیں:

بالاتفاق تمام مُفسّرین کے نزدیک اِس آیت میں "نُسُكٍ" سے مُراد حج اور عُمرہ میں قُربانی کرنا ہے۔ لُغتِ عرب سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔

باقی رہی مودودی صاحب کی یہ دلیل کہ چونکہ یہ آیت (اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ ......) مکہ میں نازل ہوئی تھی جب حج فرض نہیں ہوا تھا۔ اِس لئے اِس سے مُراد حج کی قُربانی نہیں۔ سو اِس کے مُتعلّق پہلی چیز قابلِ غور یہ ہے کہ قُرآن کریم کی ترتیب نزولی نہیں ہے اِس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی آیت کب نازل ہوئی تھی۔

قُرآن کی نزولی ترتیب

خود یہ حقیقت کہ قُرآن کی ترتیب نزولی نہیں، اِس امر کی دلیل ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک ترتیبِ نزولی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ کہا جا سکتا ہے کہ نزول کی ترتیب سے ہم قرآنی تعلیم کے "تدریجی ارتقا" کو معلوم کر سکتے ہیں۔ سو اوّل تو یہ کہ جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے۔ اگر یہ چیز ایسی اہم ہوتی تو خود اللہ تعالیٰ قرآن کی ترتیب نزولی رہنے دیتا۔ قرآنی تعلیم، زمان اور مکان کی بندشوں سے آزاد ہے۔ وہ ہر زمانے اور ہر حالت میں زندگی بخش ہونے کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے وہ ترتیبِ نزول اور شانِ نزول وغیرہ کے اختصاصات میں مقید نہیں رکھی جا سکتی۔ جو کچھ قرآن میں موجود ہے وہ ہر زمانے کے لئے ضابطۂ حیات ہے۔ جس قسم کے حالات ہوں گے اسی قسم کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ لہٰذا ترتیبِ نزولی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ دُوسرے یہ کہ ترتیبِ نزولی کے متعلق جو روایات ملتی ہیں وہ باہم دگر مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ آپ کُتُبِ تفاسیر اُٹھا کر ان میں کسی سُورۃ کے متعلق دیکھئے۔ آپ کو کئی مختلف روایات ملیں گی، کبھی پوری کی پوری سُورۃ کے متعلق اختلافات ہوتے ہیں کہ وہ مکّہ میں نازل ہوئی تھی یا مدینہ میں۔ کبھی ایک سُورۃ کی مختلف آیات کے متعلق اختلاف ہوتا ہے۔ کہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض آیات ہجرت کے بعد مکّہ کے قریب نازل ہوئیں تو انہیں مکّی لکھ دیا گیا اور خود سُورۃ انعام (جس میں آیت "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ ......" ہے) کی بعض آیات کے متعلق اختلاف ہے کہ مکّی ہیں یا مدنی۔ اس لئے اس سُورۃ کو مکّی قرار دے کر اس سے نتیجۂ زیرِ نظر اخذ کرنا، محکم دلیل قرار نہیں پا سکتا۔ بہرحال یہ سُورۃ مکّی ہو یا مدنی، جو حضرات اس سے "قربانی" مُراد لیتے ہیں، وہ (جیسا کہ علامہ فراہیؒ نے

لکھا ہے) اس امر پر متفق ہیں کہ "نُسُکِ" سے مُراد وہ قربانی ہے جو حج اور عُمرہ میں کی جاتی ہے۔

لیکن قطعِ نظر اور دلائل کے، موُدودی صاحب کا یہ بیان کہ یہ سُورۃ مکّی ہے، خُود ہمارے دعوے کی تائید کر رہا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن نے صراحت سے فرما دیا ہے، قربانی کا محل مکّہ معظمہ ہے۔

موُدودی صاحب فرماتے ہیں کہ چُونکہ قربانی کا ذِکر اس سُورۃ میں آیا ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی اس لئے اس سے مُراد حج کی قربانی نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّہ میں تشریف فرما تھے اس لئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم لامحالہ مکّہ ہی میں قربانی کرتے ہوں گے اور یہی ہم کہتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ اُس زمانہ میں ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا تو اس سے مسئلہ زیرِ نظر پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حج فرض ہونے سے پہلے بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سنّتِ ابراہیمیؑ کے اتباع میں اپنے طور پر حج کرتے تھے سارا عرب حج کیا کرتا تھا اگرچہ اُس کا حقیقی مقصد اُن کی نگاہوں سے فوت ہو چکا تھا اور اُس کے مناسک میں مُشرکانہ رسُوم داخل ہو چکی تھیں۔ لہٰذا جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حج کرتے ہیں تو قربانی بھی حج کی تقریب پر ہی ہوتی تھی۔ مُشرکین، بتوں کے استھانوں پر جانور ذبح کرتے تھے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر کے خُود کھاتے اور محتاجوں کو کھلاتے ہوں گے۔

لہٰذا، اس دلیل سے بھی واضح ہے کہ قربانی مکّہ میں ہی ہوتی تھی اور حج کی

تقریب پر (اِس باب میں ابھی ایک نکتہ باقی ہے جو "وَانْحَرْ" کے سلسلہ میں ذرا آگے چل کر بیان ہوگا)

اب وہ دوسری آیت دیکھئے جسے مودودی صاحب نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

سورۃ الکوثر کی آیت

دوسری آیت سورۃ الکوثر میں ہے جس کا ترجمہ ہے:

"پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر" یہ آیت بھی مکّی ہے اور اس میں بھی کوئی اشارہ یا قرینہ ایسا نہیں جس کی بناء پر کہا جاسکے کہ قربانی کا یہ حکم حج کے لئے خاص ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہلِ لغت نے نحر کے معنی سینے پر ہاتھ باندھنے، قبلہ رُخ ہونے اور اوّل وقت نماز پڑھنے کے بھی بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ سب دُور کے معنی ہیں۔ عام فہم عربی میں اس لفظ کا مفہوم قربانی ہی لیا جاتا ہے

(اس کے بعد مودودی صاحب نے احکام القرآن کا حوالہ دیا ہے)

یہی وجہ ہے کہ قرآن کے تمام مترجمین شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، مولانا محمود الحسن صاحبؒ، مولانا اشرف علی صاحبؒ، ڈپٹی نذیر احمد صاحب وغیرہم نے بالاتفاق اس لفظ کا ترجمہ قربانی ہی کیا ہے[1]۔

[1] "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ" والی آیت میں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ نے نُسُکِی کا ترجمہ عبادات کیا تھا اور چونکہ یہ ترجمہ مودودی صاحب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہ سورۃ الکوثر کی آیات ہیں جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

(سورۃ الکوثر۔ آیت ۱ تا ۳)

(اے محمدؐ) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے، تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو، کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

(ترجمہ فتح الحمید از مولانا فتح محمد خان جالندھری مرحوم)

اس میں لفظ نَحَرَ قابلِ غور ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ روایات سے قرآن کا صحیح صحیح مفہوم متعین ہوجاتا ہے۔ اگر ان سے مدد نہ لی جائے تو قرآن کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔

نحر کے معنی

نَحَرَ کا لفظ قرآن میں اسی مقام پر استعمال ہوا ہے۔ اب دیکھئے کہ روایات اس کا کیا مفہوم متعین کرتی ہیں۔

(ا) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نَحَرَ سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو نماز میں اپنے سینے پر رکھنا ہے۔

(ب) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا

کے منشاء کے خلاف تھا، اس لئے مودودی صاحب نے اس مقام پر ان کے ترجموں کا ذکر نہیں فرمایا۔ چونکہ اب ان کا ترجمہ ان کے منشاء کے موافق ہے اس لئے ان کا بھی ذکر کردیا گیا ہے۔

کہ یہ نحیرہ کیا ہے جس کا میرے رَبّ نے حُکم دِیا ہے۔ جبرِیل عَلَیہِ السَّلَام نے کہا کہ نحیرہ نہیں۔ لیکن حُکم یہ ہے کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر، رُکُوع، بعد رُکُوع اور سجُود کے وَقت اپنے ہاتھوں کو بُلند کریں۔ یہ ہماری نماز ہے اور ملائکہ کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں رہتے ہیں، ہر ایک چیز کی ایک نیت ہے اور نماز کی نیت ہر تکبیر کے نزدیک رفع یدین کرنا ہے۔

(ج) حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہٗ کا قول ہے کہ نَحَر کے معنٰی ہیں ''اپنی گردن قبلہ کے مُقابل کرو''۔

(د) اِمام باقرؒ کا اِرشاد ہے کہ اِس سے مُراد نماز کے شُرُوع کے وَقت رفع یدین کرنا ہے۔

(ہ) حضرت عطا خُراسانیؒ فرماتے ہیں کہ وَانْحَرْ سے مُراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رُکُوع سے اُٹھاؤ تو اِعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو۔ یعنی اِطمینان حاصل کرو۔

اِن رِوایات کے عِلاوہ دِیگر اَقوال مُلاحِظہ فرمائیے:

(الف) اِبنُ الاعرابی نے کہا ہے کہ نَحَر کا مطلب نماز میں محراب کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا ہے۔

(ب) ضحاکؒ کا بیان ہے کہ اِس کے معنٰی ہیں کہ دونوں ہاتھ دُعا کے بعد چھاتی کے اُوپر کے حصّہ تک بُلند کرو۔

(ج) اِمام راغب (مُفردات) میں لکھتے ہیں کہ نَحَر چھاتی کے اُوپر گلُوبند کے مقام کو کہتے ہیں۔

اِس لئے وَانْحَرْ میں حُکم ہے۔ ہاتھوں کو نَحَر کے مقام پر رکھنے کا۔ اور یہ بھی

کہا گیا ہے کہ اِس سے شہوت کی بیخ کنی کر کے نفس کُشی کی ترغیب دِلائی گئی ہے۔

آپ نے نَحَر کے لفظ کی تحقیق مُلاحِظہ فرمائی۔ اِمام رازیؒ کہتے ہیں کہ اِس سے مُراد ذبحِ شُتر ہے۔ اِس لئے اِس کے معنٰی قُربانی ہو گئے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اپنے رَبّ کی نماز پڑھ اور قُربانی کر۔

اَب اِس آیت کے مقامِ نُزُول کے مُتعلّق دیکھئے۔ مودُودی صاحب فرماتے ہیں کہ مکّہ میں نازِل ہُوئی۔ مُحمّد علی صاحب لاہوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِس سُورۃ کے نُزُول کے مُتعلّق اِختلاف ہے۔ بعض اِسے مکّی کہتے ہیں اور بعض مدنی اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ اِس کا نُزُول دو دفعہ ہُوا ہے۔ ایک مکّہ میں اور ایک مدینہ میں۔ مگر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مکّہ معظمہ میں نازِل ہُوئی۔[1]

لیکن علامہ فراہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صُلحِ حُدیبیہ کے دِن نازِل ہُوئی۔ اِرشاد ہے۔

''یہ سُورۃ صُلحِ حُدیبیہ کے دِن نازِل ہُوئی جو فتحِ مکّہ، حج، نماز، قُربانی، غلبۂ اِسلام اور کثرتِ اُمّت کا فتح باب ہے۔''

ذرا آگے چل کر پُوری کی پُوری (سُورۂ کوثر) کی حکمت کے سِلسلہ میں لکھتے ہیں:

''سادہ لفظوں میں گویا یُوں کہا گیا کہ اللہ تعالٰی نے تُمہیں نماز پڑھنے والی، اور راہِ خُدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیمُ الشّان اُمّت دی ہے جو بیتُ الحرام کا حج کرے گی۔ یعنی وَانْحَرْ سے مُراد ''بیتُ الحرام کا حج'' کرنا ہے۔''

---

[1] یہ نہیں بتایا کہ اُن کا اپنا ذریعہ علم کیا ہے؟ محض قیاس

ابنِ جریرؒ نے اِس باب میں لکھا ہے:

سعید بن جُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ والی آیت حُدیبیہ کے دِن نازِل ہُوئی۔ جبرِیل علیہِ السّلام تشریف لائے اور فرمایا کہ قُربانی کر کے لَوٹ جاؤ۔ آنحضرت صلّی اللہُ علیہِ وسلّم اُٹھے اور عیدُ الفطر یا عیدُ الاضحیٰ (راوی کو شُبہ ہے) کا خُطبہ دِیا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور قربانی دِی۔ اُس وقت جبرِیل علیہِ السّلام نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ کا پیام دِیا۔

یعنی جب کُفارِ مکّہ نے حضور صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کے قافلہ کو حُدیبیہ کے مقام پر روک دِیا اور قُربانی کے جانوروں کو بھی مکّہ تک جانے سے روک دِیا گیا (جیسا کہ سُورۂ فتح میں مذکُور ہے) تو سوال یہ پیدا ہُوا کہ قُربانی کے جانوروں کا کیا کیا جائے۔ اُس وقت جبرِیل علیہِ السّلام آئے اور کہا کہ اُن کی یہیں قُربانی دے کر دو رکعت نماز پڑھ لیجئے۔

وَانْحَرْ کے معنی بھی آپ نے دیکھ لئے اور مقامِ نُزول کے متعلق بھی بیانات مُلاحظہ کر لئے۔ ذرا غور کیجئے کہ اُن سے کِسی طرح بھی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وَانْحَرْ سے مُراد ہے دُنیا کے ہر گلی کُوچے میں قُربانی کے جانور ذبح کرنا ہے۔ اگر یہ سُورۃ (سُورۂ کوثر) مکّہ میں نازِل ہُوئی تھی تو اندازہ یہ ہے کہ یہ ہجرت کے قریب کی نازِل شُدہ سُورتوں میں سے ہے۔ کیونکہ موجُودہ ترتیب کے لِحاظ سے یہ جِن سُورتوں کے درمیان رکھی گئی ہے اُن کا تعلُّق ہجرت کے واقعہ سے ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مُسلمانوں پر شدائد و مصائب ہجُوم کر کے آ چکی تھیں۔ نظرِ بظاہر، ہر طرف مایُوسی دِکھائی دیتی تھی۔ وقت وہ آ چکا تھا کہ اُنھیں اپنے گھر بار کو بھی چھوڑنا

تھا۔ مُستقبل میں بھی کوئی اُمید کی کرن دِکھائی نہیں دیتی تھی۔ اِن یاس انگیز حالات میں ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ'' (یقیناً ہم نے تُمھیں اپنے اِنعامات سے بڑی کثرت سے نوازا ہے) کا مُژدہ درخشندہ بڑا حیات بخش (اور مُخالفین کے لئے حیرت انگیز) تھا۔ اِس کے لئے اِرشاد یہ ہُوا کہ یہ کثرتِ نعماء کا نتیجہ ہوں گی اِس نِظام کی تشکیل و تنفید کا جس کا آغاز صلوٰۃ سے ہوتا ہے اور اِنتاج کے اِجتماع سے (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) نَحَرَ کے معنی اگر قُربانی لئے جائیں تو یہ اُونٹ کی قُربانی کے لئے مُختص ہے۔ ''اُونٹ کے ذبیحہ'' میں ایک اور اہم حقیقت کی طرف بھی اِشارہ کر دیا گیا ہے۔ مدینہ میں اُس وقت یہُودیوں کا غلبہ تھا۔ ہو سکتا تھا کہ کسی کو خیال پیدا ہو جائے کہ اب ''کمزور و ناتواں'' مُسلمانوں کا یہ قافلہ ہجرت کے بعد مدینہ کے یہُودیوں سے مُفاہمت (Compromise) کر کے قُریشِ مکّہ کا مُقابلہ کرے۔ وَانْحَرْ کے لفظ نے اِس شُبہ کو بھی مِٹا دِیا۔ یہُودیوں کے ہاں اُونٹ حرام تھا۔ مُسلمانوں کو اُونٹ ذبح کرنے کے لئے کہا گیا۔ یعنی یہُود کے عَلَى الرَّغْم۔ یُوں سمجھئے جس طرح آج ہندوستان کے شکستہ حال مُسلمانوں کو کوئی ''اِشارۂ غیبی'' یہ کہہ دے کہ اُٹھو اور گائے ذبح کرو۔ اور اگر یہ سُورۃ صُلحِ حُدیبیہ کے موقع پر نازِل ہُوئی تھی تو اُس وقت بھی حالات سخت نامساعد تھے۔ نظرِ بظاہر، وہ صُلح شکست ہی کے مُترادِف تھی۔ لیکن قُرآن نے عین اُس وقت ''عطائے کوثر'' کا مُژدہ حوصلہ افزا سُنایا اور وَانْحَرْ[1] سے یہ بتا دِیا کہ اگر اُنھوں نے آج تُمھیں مکّہ

---

[1] نَحَرَ کے معنی کسی مُعاملہ پر پُورا پُورا قابُو پا لینا بھی ہوتے ہیں۔ نَحَرَ الاُمُور کے معنی ہیں، اُس نے مُعاملات کو اپنے (Control) میں کر لیا۔ ''نَحَرَ العِلمَ نَحْرًا'' کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تک پہنچنے سے روک دیا ہے اور تمہاری قربانیوں کو بھی اُن کی قربان گاہ (کعبہ) تک نہیں پہنچنے دیا، تو اُس کا کیا غم۔ تم عنقریب وہاں پہنچ کر قربانیاں کرو گے۔

اِن تصریحات کے بعد آپ سوچئے کہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" میں وَانْحَرْ سے عید کے دِن ہر گلی کوچے میں قربانی کا وجوب کس طرح ثابت ہوتا ہے؟

لیکن اگر آپ کو اِس پر اصرار ہے کہ وَانْحَرْ سے مراد ہر گلی کوچے میں قربانی ہے تو ذرا حسبِ ذیل اُمور پر بھی غور کیجئے۔

کیا قربانی فرض ہے؟

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" میں فَصَلِّ (نماز پڑھ) امر کا صیغہ ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ نماز فرض ہے۔ اِسی طرح وَانْحَرْ بھی امر کا صیغہ ہے۔ لہٰذا نحر بھی فرض ہوئی۔ یعنی جو حیثیت نماز کی ہے وہی حیثیت قربانی کی ہوگی دونوں برابر کی فرض ہوں گی کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے۔ فَصَلِّ (نماز) کے فرض ہونے کے متعلق تو کسی کو کلام نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ وَانْحَرْ (قربانی) کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ خود مودودی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے اِن دلائل کی بناء پر فقہائے اُمت نے بقر کی قربانی کے متعلق بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ یہ ایک مشروع فعل ہے اور سُننِ اسلام میں

معنی ہیں اُس نے اپنے آپ کو علم پر (Master) کر لیا۔ اِس لئے نعمائے کثیر حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ نظامِ صلوٰۃ قائم کیا جائے اور اِس طرح تمام اُمور پر پورا پورا غلبہ وتسلط حاصل کر لیا جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مخالف قوتیں بیخ وبنیاد سے اُکھڑ جائیں گی اور ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔

سے ہے اختلاف اگر ہے تو اِس میں کہ یہ واجب ہے یا نہیں مگر اُس کا مشروع اور سُنت ہونا متفق علیہ ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری میں مذاہب فقہاء کا خلاصہ اِس طرح بیان کرتے ہیں۔

اور اِس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ بقرعید کی قربانی شرائع دین میں سے ہے۔ شافعیہ اور جمہور کے نزدیک یہ سُنتِ مؤکدہ بطریق کفایت اور شافعیوں میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ مقیم اور خوشحال آدمی پر واجب ہے۔ اِمام مالکؒ کی رائے بھی ایک روایت کی رو سے یہی ہے مگر اُنہوں نے مقیم کی قید نہیں لگائی۔ اوزاعی اور ربیعہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حنفیوں میں سے ابو یوسفؒ اور مالکیوں میں سے اشہب نے جمہور کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ اِمام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ قدرت کے باوجود قربانی نہ کرنا مکروہ ہے اور اُن کا دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی ایک ایسی سُنت ہے جسے چھوڑ دینے کی اجازت نہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ عید کی قربانی کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں زیادہ سے زیادہ سُنت ہے اور وہ بھی ایسی کہ اِمام احمدؒ کے نزدیک اگر باوجود قدرت (استطاعت) کے قربانی نہ کی جائے تو یہ مکروہ ہوگا۔ آپ ذرا سوچئے کہ قرآن میں "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کا حکم آتا ہے۔ صَلِّ (نماز پڑھ) کے متعلق ہر ایک کا اتفاق ہے کہ یہ فرضِ عین ہے۔ لیکن اِسی حکم کے دوسرے ٹکڑے کے متعلق یہ کیفیت ہے کہ اِسے کوئی بھی فرض قرار نہیں دیتا۔ صلوٰۃ کا تارک دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ لیکن استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا مکروہ فعل کا مرتکب گردانا جاتا ہے اور بس! اِسی سے آپ اندازہ لگایئے کہ وَانْحَرْ سے

مراد عید کی قربانی لینا کس طرح قرآنی مفہوم کہلا سکتا ہے۔

پھر ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ اگر وَانْحَرْ سے مراد قربانی ہے تو نحر صرف اونٹ کی قربانی کے لئے مخصوص ہے۔ گائے، بھیڑ، بکری کی قربانی اس میں قطعاً شامل نہیں۔

ایک قدم اور آگے۔ قرآن نے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" فرمایا۔ صَلِّ کے معنی ہوئے "نماز پڑھ" اور وَانْحَرْ کے ان کے نزدیک "قربانی کر" اب ظاہر ہے کہ صَلِّ کے حکم کی ادائیگی اسی شکل میں اور انہی شرائط کے ساتھ ہوگی جو قرآن میں دوسرے مقامات پر مذکور ہیں۔ مثلاً قرآن نے حکم دیا ہے کہ صلوٰۃ کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ لہٰذا جب صَلِّ کہا جائے گا تو اس کے ساتھ یہ تمام شرائط مستلزم ہوں گی جس طرح صَلِّ کے لئے یہ ضروری ہے، اسی طرح وَانْحَرْ کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ صَلِّ کے لئے قرآن نے سمت قبلہ کا تعیّن فرما دیا ہے۔ اسی طرح وَانْحَرْ کے لئے قرآن ہی نے کعبہ کے مقام کا تعیّن کر دیا ہے۔ لہٰذا، جس طرح صَلِّ (نماز) کے لئے سمتِ قبلہ ضروری ہے اسی طرح نحر (قربانی) کے لئے مقامِ کعبہ ضروری ہے۔ نہ سمتِ قبلہ کے بغیر (ہر طرف رخ کر کے) صلوٰۃ ہو سکتی ہے نہ مقامِ کعبہ کے بغیر (ہر مقام) پر قربانی۔ صَلِّ (صلوٰۃ) کے متعلق قرآن کی تمام حدود و قیود کا التزام ضروری قرار دینا لیکن وَانْحَرْ (قربانی) کے متعلق قرآن کی متعین کردہ شرط کے یکسر خلاف، دنیا کے ہر گلی کوچے کو قربان گاہ تصور کر لینا تُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (کتاب کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے حصہ سے انکار) کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

روایات

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ جب قرآن میں قربانی کے متعلق ایسی تصریحات موجود ہیں تو پھر وہ کون سی وجہ ہے جس کی بناء پر یہ تمام حضرات اس پر مصر ہیں کہ قربانی کی جگہ مختص نہیں۔ ہر گلی کوچے میں ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو دین کے دوسرے شعبوں کو قرآن کے خلاف لے جانے کی وجہ بنی ہے۔ یعنی روایات! کچھ احادیث ایسی ہیں جن میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدِ قربان کے دن اپنے طور پر قربانی کی۔ چونکہ ہمارے ہاں "دین" کی بنیاد قرآن نہیں بلکہ احادیث ہیں، اور احادیث قرآن کی ناسخ بھی ہو سکتی ہیں اور اس پر قاضی بھی، اس لئے جس معاملہ میں قرآن اور احادیث میں اختلاف ہوگا، ان لوگوں کا عمل حدیث کے مطابق ہوگا قرآن کے مطابق نہیں، قرآن میں تصریح موجود ہے کہ قربانی حج کے موقع پر کعبہ میں کی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ چند ایک روایات میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن قربانی کیا کرتے تھے اس لئے قرآن جو کچھ کہتا ہے اسے کہنے دیجیے، عمل حدیث پر ہوگا۔

لیکن جیسا کہ روایات میں عام طور پر ہوتا ہے، اس باب میں بھی دونوں قسم کی روایات موجود ہیں ایسی بھی جن سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن قربانی کی اور ایسی بھی جن سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو خود مکہ میں قربانی کی یا اپنے قربانی کے جانور مکہ معظمہ میں بھیجے۔

١. بُخاری، مُسلِم، اَبُوداوٗد، ترمِذی، مالک، نِسائی سب کے سب اِس حدیث کے راوی ہیں۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ہَدیٰ کو مکّہ روانہ فرماتے تھے تو آپ کی ہَدیٰ کے ہار میں بنایا کرتی تھی۔

٢. حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حُدیبیہ کے سال بہت سے اُونٹ بطورِ ہَدیٰ مکّہ کو روانہ کیے۔ اُن میں ایک اُونٹ چاندی کی نتھنی والا بھی تھا۔

٣. حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قربانی کے جانوروں کو قباطی، انماط اور حلل کی جھول پہناتے پھر کعبہ کی طرف روانہ کر دیتے۔

٤. زادُالمعاد میں علامہ ابنِ قیمؒ نے لکھا ہے کہ حج ۹ھ میں فرض ہُوا۔ اِس سال غزوۂ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کم و بیش تین سو مسلمانوں کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا اور اپنے قربانی کے بیس اُونٹ جن کے گلوں میں خُود اپنے ہاتھ سے قلاوے پہنائے تھے، اُن کے ساتھ کر دیئے۔ دُوسرے سال (۱۰ھ میں) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج کیا اور مکّہ میں سو جانوروں کی قربانی کی۔ الغرض حج کی فرضیت کے بعد دو سال آپ زندہ رہے اور دونوں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی مکّہ میں ہُوئی۔

باقی رہیں وہ روایات جن میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

مدینہ میں قربانی دی۔ سو جب ہم نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم نے قربانی کے لئے کعبہ کا تعیّن کر دیا ہے تو ہم بلا تأمّل کہہ سکتے ہیں کہ یہ روایات صحیح نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل قرآن کے خلاف نہیں تھا۔

سُنّتِ ابراہیمیؑ

قربانی کو عام طور پر ''سُنّتِ ابراہیمیؑ'' کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ قرآن میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے اِس خواب کو حقیقی سمجھا اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب اُنہیں لِٹا دیا گیا تو اللہ نے آواز دی کہ اے ابراہیمؑ! تُو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔'' قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی جگہ ایک مینڈھا جنّت سے بھیجا گیا جس کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کر دی۔ یہ بیان تورات کا ہے، قرآن کا نہیں۔ لِہٰذا بکروں کی قربانی سُنّتِ ابراہیمیؑ بھی نہیں۔ اگر کسی کو سُنّتِ ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہونا ہے تو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لِٹائے۔ اِس کے بعد اگر اُسے اللہ کی طرف سے آواز آ جائے کہ بیٹے کو چھوڑ دو تو چھوڑ دے اور اگر ایسی آواز نہ آئے تو اُسے ذبح کر ڈالے۔ بیٹے کی جگہ بکرا ذبح کر دینا اور اُسے سُنّتِ ابراہیمیؑ قرار دینا کس طرح دُرست ہو سکتا ہے۔

ذبحِ عظیم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السّلام

کو "ذِبحِ عظیم" کے فدیہ میں چھڑا لیا اور وہ "ذِبحِ عظیم" یہی (بکروں اور مینڈھوں) کی قربانیاں ہیں جو ہر سال دی جاتی ہیں۔ یہ عقیدہ بھی خود تراشیدہ ہے۔ اوّل تو اِس منطق پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو چھری سے ذبح ہونے سے بچا کر "ذِبحِ عظیم" (بہت بڑی قربانی) کے لئے مختص کر لیا اور ہمارے ہاں اِس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی قربانی کے مقابلہ میں بھیڑوں، بکریوں کی قربانی "ذِبحِ عظیم" ہے۔ غور کیجئے کہ اِس سے کیسی بلند حقیقت کو کتنی پست سطح پر لایا جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام باپ کے پہلوٹھے بیٹے تھے (اور منصبِ سرداری کے مستحق) ہونے کی جہت سے شام کی سرسبز و شاداب وادیوں کے حکمران بننے والے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُنھیں اپنے خیال کے مطابق اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے تھے۔ چھری گلے تک آ پہنچی تھی۔ بس ایک لحہ میں یہ قربانی ختم ہو جانے والی تھی۔ اللہ نے اُنھیں چھری سے بچا کر حکم دیا کہ مکّہ کی بے برگ و گیاہ وادی میں "ہمارا گھر" بناؤ اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو اِس کی پاسبانی کے لئے وقف کر دو۔ آپ غور کیجئے سرزمین شام کی شادابیوں اور شگفتگیوں کی جگہ صحرائے عرب کا مسکن، اور منصبِ سرداری اور حکمرانی کی بجائے عبادت گاہ کی تولیت۔ یہ تھی وہ بڑی قربانی جس کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو چھڑا لیا گیا تھا۔ وہ قربانی جسے ایک لحہ میں ختم نہیں ہو جانا تھا بلکہ ساری عمر ساتھ رہنا تھا۔ یہ ایک ایک سانس کی قربانی تھی۔ لحہ بہ لحہ قربانی تھی۔ مسلسل و متواتر قربانی تھی۔ عمر بھر کی قربانی تھی بلکہ یوں کہیے کہ پشتوں تک کی

قربانی تھی۔ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی نسل کے حصہ میں شوکتِ سلیمانی اور دارائے داؤدی آ گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد کے حصہ میں صحرائے عرب کی عبادت گاہ کی رکھوالی۔ کہیے یہ قربانی بڑی تھی یا ایک لحہ میں رگِ جان کا کٹ جانا۔ یہ تھی وہ عظیم الشّان قربانی، جس کے اثرات صدیوں تک تولیتِ کعبہ کی شکل میں متوارث آگے بڑھتے رہے۔ تا آنکہ شاخِ اسرائیل کے بے ثمر ہو جانے کے بعد، یہ شاخِ اسماعیلیؑ اِس حُسن و شادابی کے ساتھ گلبار و ثمر ریز ہوئی کہ اُس کی تازگی اور شگفتگی میں قیامت تک فرق نہیں آئے گا۔ یہ تھا ثمرہ اُس "ذِبحِ عظیم" کا جس کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو اللہ نے وقف کر لیا تھا۔ اِس حقیقت کے بعد سوچئے کہ "ذِبحِ عظیم" سے مراد بھیڑوں، بکریوں کی قربانی لینا، قرآنی عظمتوں کو کن پستیوں تک لے جاتا ہے۔

گذشتہ اوراق میں جو کچھ آپ کی نظروں سے گزر چکا ہے، اُسے بغور پڑھیے۔ یہ حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی کہ:

۱. قرآن کریم نے قربانی کا ذکر حج کے سلسلہ میں کیا ہے۔
۲. ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر اِس کی تخصیص اور تعیّن کر دیا ہے کہ قربانیوں کا مقام خانہ کعبہ ہے۔
۳. قربانی کے متعلق واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اِس سے مقصود سامانِ خورد و نوش کا مہیا کرنا ہے۔
۴. قرآن میں کوئی ایک مقام ایسا نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ عید کے دِن اپنی اپنی جگہ، ہر گلی کوچے میں قربانیاں دینے کا حکم ہے۔

اِس سے یہ واضح ہے کہ قرآن کی رُو سے:

(الف) قُربانیِ حج کی تقریب پر کرنی چاہئے اور وہ بھی صرف اِسی قدر جس سے خورد و نوش کا سامان ہو جائے۔ لِہٰذا

(ب) نہ تو حج میں ایسی قُربانیوں کی اِجازت ہے جنہیں زمین میں دبا دِیا جائے اور نہ ہی حج سے باہر قُربانیوں کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ ہے قرآن کی کُھلی کُھلی اور واضح تعلیم۔ باقی رہیں احادیث، سو

۱ اِن میں دونوں قسم کی رِوایات مِلتی ہیں۔ وہ بھی جن سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے عید کے دِن قُربانی کی اور وہ بھی جن سے ظاہر ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے یا تو خود مکہ معظمہ میں بتقریبِ حج قُربانی کی یا قُربانی کے جانوروں کو مکہ معظمہ بھیجا۔

۲ لِہٰذا قرآن کی تخصیص و تعیُّن مقام و تقریب کے بعد، اوّل قسم کی احادیث کے مُتعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ وہ:

(الف) یا تو اُس زمانے سے مُتعلق ہیں جب قرآن میں ہنوز حج کی قُربانی کے احکام نہیں آئے تھے۔

(ب) اگر شق (الف) ناقابلِ تسلیم ہو تو پھر لامحالہ اِسی نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ یہ رِوایات وضعی ہیں کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا کوئی عمل قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتا۔

لیکن اگر اِس کے باوجود آپ کو اِس پر اِصرار ہو کہ حج میں ہر حاجی کو ایک ایک، دو دو، چار چار، دس دس، سو سو جانور ذبح کرنے کی اِجازت ہے اور ہر جانور

کے ذبح کرنے کا ثواب مِلتا ہے اور نیز یہ کہ دُنیا کے ہر گلی کوچے میں عید کے دِن جانور ذبح کرنا امرِ مشروع ہے تو ہم اِس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا کام راستہ دِکھانا ہے، راستہ پر لگا دینا نہیں۔

مشکل یہ ہے کہ جب اِنسان کے ذہن میں کوئی بات اندھی تقلید کی بناء پر بطورِ عقیدہ جم جائے تو اُس میں خالی الذہن ہو کر سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر ان حضرات میں خالی الذہن ہو کر سوچنے کی صلاحیت ہوتی تو ہم اُن سے کہتے کہ آپ ذرا تصوّر میں لائیے کہ کسی جگہ قریب ایک[1] لاکھ اِنسان جمع ہوں اور اُن میں سے ہر ایک دو دو، چار چار بھیڑوں، بکریوں کو ذبح کر کے زمین پر تڑپتا چھوڑ دے اور اُس کے بعد اُن تمام تین چار لاکھ لاشوں کو گڑھے کھود کھود کر دبا دِیا جائے۔ اُس کے ساتھ ہی دُنیا میں ہر مقام پر کروڑوں کی تعداد میں اِسی طرح جانور ذبح کئے جائیں اور دِن بھر اُن جانوروں کا گوشت اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھومتا پھرے اور اُس کے بعد یہ قوم اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے ایک بہت بڑا کارِ نمایاں انجام دے دِیا جس کا اُنہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ملے گا اور یہ جانور اُنہیں جہنّم سے پار لگانے کا موجب بنیں گے۔ یہ منظر تصوّر میں لائیے اور پھر سوچئے کہ اِن دو چار رِوایتوں نے جن کی طرف اُوپر اِشارہ کیا گیا ہے۔ آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دِیا اور کیا سے کیا بنا دِیا۔ رِوایات نے کیا یہ ہے کہ اِسلام جیسے زندگی بخش نِظامِ حیات کو رسومات کا مجموعہ بنا دِیا ہے اور یہی اُن

---

[1] ۱۹۶۳ء میں حج کی تقریب پر قریب چودہ لاکھ کا اِجتماع بتایا گیا تھا۔

لوگوں کا مقصود تھا۔ جنہوں نے مسلمانوں کو قرآن سے ہٹا کر روایات میں اُلجھا دیا۔ یہ ہیں قرآن کی رُو سے قربانی کے احکام۔ یعنی

(۱) قربانی، اجتماعِ حج کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا مقصد اس اجتماع میں شریک ہونے والوں کے لئے خوراک بہم پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس ضرورت سے زیادہ جس قدر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ اہلاکِ نسل ہے جسے قرآن نے فساد سے تعبیر کیا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ○

(سُورۃُ البقرۃ۔ آیت ۲۰۵)

اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کردے۔

(۲) حج کے علاوہ قربانی اور کہیں نہیں۔ لہٰذا یہ جو دُنیا کے ہر قریہ اور ہر بستی کے گلی کوچے میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ قرآن کی رُو سے اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں۔ ذَالِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔

(۱۹۵۱ء)

☆☆☆☆☆

کیا قُربانی کا مُنکر کافر ہے؟

از: علاّمہ عیاض العقاد۔ مُدیر الاسلام (مصر)

سوال: زید قربانی کا مُنکر ہے۔ بارہا اُس نے اپنے مُنہ سے یہ الفاظ نکالے ہیں کہ ہر سال جتنے جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اگر اُن کی قیمت حکومت کے حوالہ کردی جائے تو وہ اُس سے سینکڑوں رفاہِ عامّہ کے کام کرسکتی ہے بلکہ وہ علی الاعلان کہتا ہے کہ اِسی طرح اُمّتِ مُسلمہ کو ہر سال کروڑوں رُوپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر یہ رقم کسی اچھے مصرف میں لگائی جاتی تو بہتر ہوتا۔ پُوچھنے والی بات یہ ہے کہ کیا ایسے اعتقاد رکھنے کے بعد زید مُسلمان رہ سکتا ہے کیا کہ وہ اِس قابل ہے کہ موت کے بعد مُسلمان اُس کا جنازہ پڑھیں اور کیا مُسلمان اُس کے ساتھ رشتہ ناطہ کرسکتے ہیں؟ براہِ کرم جواب مُفصّل دیجئے۔ (سائل: غنم بن صفوان العلی۔ مُقیم قاہرہ)

الجواب: سب سے پہلے تو آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مَیں نہ اپنے آپ کو مُفتی کہتا ہوں اور نہ ایسی مسندِ افتاء میں نے بچھا رکھی ہے کہ تکیہ سے پیٹھ ٹیک کر بیٹھوں اور لوگوں کے ایمان تولتا رہوں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا محض علمی و تحقیقی انداز میں کہوں گا اور جہاں تک میری بصیرت میری رہنمائی کرے گی، حق گوئی میں پُوری بے باکی سے کام لوں گا۔

قربانی اور قرآنِ حکیم

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ آیا قربانی قرآنِ حکیم سے ثابت ہے یا نہیں؟ جب آپ اِس امر پر غور کر لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں قطعیت کے ساتھ یہ کہیں نہیں آیا کہ مسلمان خواہ وہ دُنیا کے کسی گوشے میں بستے ہوں، ذی الحجّ کی فلاں تاریخ کو قربانی کیا کریں۔ عام مفسّرین جن آیات سے استدلال کرتے ہیں، میں انہیں بھی درج کئے دیتا ہوں۔

1. قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

(سورۃ الانعام۔ آیت ۱۶۳)

کہہ دیجئے کہ میری صلوٰۃ، میری "نُسُک"، میری زندگی اور میری موت ربّ العالمین کے لئے ہے۔

اِس آیت میں "نُسُک" سے قربانی مراد لی جاتی ہے۔

آیئے "نُسُک" کا فیصلہ ائمہ لغت سے کرائیں۔

علامہ بستانی لکھتے ہیں:

"اِس مادہ کے اصل معانی دھو کر پاک صاف کرنا ہیں۔ اِس کے بعد یہ ہر اُس امر کے لئے استعمال ہونے لگا جو اللہ کی طرف سے واجب قرار پایا ہو۔ اِسی لئے مناسک کا لفظ اِن طور طریقوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو واجباتِ خداوندی کی ادائیگی کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ (محیطُ المحیط۔ ملخصاً)

علامہ مُحِبُّ الدّین محمد مرتضیٰ لکھتے ہیں:

نُسُکُ السَّبِخَۃَ کے معنی ہیں۔ اُس نے بنجر زمین کو دُرست کیا۔ نُسُکٌ اِلیٰ طَرِیْقَۃٍ جَمِیْلَۃٍ۔ اُس نے اچھا راستہ اختیار کر لیا۔ اِسی لئے نُسُک اُس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ اکثر آتے جاتے ہیں۔ اِسی بناء پر حجّ کے اُمور و مراسم کو بھی مناسک کہتے ہیں۔ "نُسُک" یا "نَسِیْکَۃ"۔ ذبیحہ یا خون کے معنوں میں بھی آتا ہے۔" (تاجُ العروس۔ ملخصاً)

علامہ ابنِ قتیبہ کہتے ہیں:

"نُسُک ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ کا تقرّب حاصل کیا جائے۔" (کتابُ القرطین)

غرض یہاں سے آپ نے معلوم کر لیا کہ اگرچہ بنیادی معنوں کے لحاظ سے یہ لفظ زندگی کے ہر اُس طور طریقے پر استعمال ہوتا ہے جو اللہ کا تقرّب حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جائے۔ تاہم یہ ذبیحہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ذبیحہ بھی وُہی جو حصولِ تقرّب کے لئے ہو۔ آیتِ زیرِ نظر میں اکثر مفسّرین نے نُسُک سے مناسکِ حجّ مراد لئے ہیں کیونکہ قرآن اِن معانی میں بھی اِس لفظ کو استعمال کرتا ہے۔ دیکھئے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ ○

(سورۃ البقرۃ۔ آیت ۲۰۰)

جب تم مناسکِ حجّ سے فارغ ہو جاؤ۔

لیکن قرآن ہی میں یہ لفظ ذبیحہ کے معنوں میں بھی آیا ہے۔

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۝

(سُورۃُ البقرۃ - آیت ۱۹۶)

پس اس کا فدیہ روزے یا صدقہ یا ذبیحہ ہوں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ سورۂ انعام کی مذکورۃُ الصدر آیت میں نُسُکٍ ذبیحہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یا قربانی کے معنوں میں۔

صلوٰۃ کے ساتھ نُسُکٍ اور حیات و ممات کے الفاظ صراحتاً اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہاں لفظ اپنے بنیادی معنوں کے بغیر کسی اور معانی میں استعمال کیا جائے تو ان نئے معانی کے لئے کوئی واضح قرینہ ہونا چاہئے۔ جیسے فدیہ والی آیت میں ہے کہ وہاں اور کچھ مراد ہی نہیں لے سکتے اور نہ اسے بنیادی معنوں پر محمول سمجھ سکتے ہیں۔ سورۂ حج میں ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ ۝

(سُورۃُ الحج - آیت ۶۷)

ہم نے ہر اُمت کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا تھا جس پر اُسے چلنا تھا۔

دیکھئے یہاں لفظ صاف طور پر اپنے بنیادی معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔

باندازِ دیگر

اچھا ایک لمحہ کے لئے ہم یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ سورۂ انعام کی آیت میں نُسُکٍ سے مراد ذبیحہ ہے لیکن اس بات کی کسی کے پاس کیا دلیل ہے کہ اس سے وہ قربانی مراد ہے جو ہر سال حج کے مہینے میں ساری دُنیا کے مسلمان کرتے ہیں۔ اس آیت سے بھی زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوگا کہ مُشرکین بُتوں کے حضور اپنے

جانوروں کو بھینٹ چڑھاتے تھے۔ "میں اللہ کے لئے جانور ذبح کرتا ہوں۔"

خیال رکھئے کہ میں اس قربانی پر گفتگو نہیں کر رہا ہوں جو حاجی حج کے موقع پر دیتے ہیں اور جس قربانی کے جانور کو اللہ تعالیٰ "هَدْيٌ" کہتا ہے۔ نمائندگانِ ملتِ اسلامیہ کے عالمگیر اجتماع میں هَدْيٌ کی قربانی اس لئے ہے کہ وہاں وہ لوگ ایک دوسرے کی دعوت کریں اور مختلف ممالک کے نمائندوں میں باہم موانست پیدا ہو اور مل بیٹھ کر وہ لوگ اجتماعی مسائل پر سوچیں۔ دینِ اسلام میں ایسے اجتماعات کے مواقع پر ہر اُمت کو نبی اکرم ﷺ سے پیشتر بھی یہ حکم تھا۔

❶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۝

(سُورۃُ الحج - آیت ۳۴)

اور ہم نے ہر اُمت کے لئے یہ طریقہ مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے جانوروں پر اللہ کا نام لیں (اور انہیں ذبح کریں)

یہ آیت "هَدْيٌ" کے سلسلہ میں سورۂ حج میں وارد ہوئی ہے۔

دُوسری دلیل

اب اُن لوگوں کی دُوسری دلیل ملاحظہ فرمایئے جو قربانی کو قرآن سے ثابت کرتے ہیں۔

❷ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲

(سُورۃُ الکوثر - آیت ۲)

اپنے رب کے واسطے صلوٰۃ ادا کر اور نحر کر۔

وَانْحَرْ کے معنی کیے جاتے ہیں ''اور قربانی کر'' حالانکہ نَحَرْ کئی معنوں میں آتا ہے۔

فراء نحوی کہتا ہے:

وَانْحَرْ کے معنی ہیں اپنا سینہ قبلہ رُخ کیجیے۔ (ابنِ ابی حاتم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ نَحَرْ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ ذبح نہیں بلکہ نماز میں پہلی تکبیر، رکوع اور رکوع سے اُٹھتے ہوئے ہاتھ اُٹھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (ابنِ ابی حاتم، ابنِ مردویہ)

جعفر کا قول ہے کہ:

نَحَرْ کے معنی ہیں تکبیرِ اولیٰ کے وقت ہاتھ اُٹھانا۔ (ابنِ جریر)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور قول ہے کہ:

'' نَحَرْ کے معنی ہیں بائیں کلائی پر دایاں ہاتھ رکھنا اور پھر انہیں سینے پر رکھ لینا۔'' (دار قطنی و تاریخ بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ:

نَحَرْ کے معنی ہیں دو سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھنا کہ چھاتی نظر آئے۔ (روح المعانی)

ضحاک کا قول ہے کہ:

نَحَرْ کے معنی ہیں نماز کے بعد کے لئے ہاتھ اُٹھانا۔ (ایضاً)

اِن تمام اقوال کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ نَحَرْ کے وہ معنی ہیں جنہیں بنیادی معنی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سب اُس وقت پیدا ہوئے جب نماز کا تصور پیدا ہوا۔ رہی وہ روایت جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ سو اُس کا ضعف ظاہر ہے۔ جبریل علیہ السلام اُس قوتِ عظیمہ کا نام ہے جو انبیاء کے قلوبِ مقدس پر القائے وحی کرتی ہے۔ وہ وحی کے معانی بتانے نہیں آتی۔ اسناد کے لحاظ سے بھی محدثین نے اُسے ضعیف کہا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ابنِ کثیر نے اُسے منکر قرار دیا ہے اور ابنِ جوزی نے اُسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (روح المعانی۔ جزء ۳۰)

اب لغت کی طرف آیئے۔ علامہ محب الدین محمد مرتضیٰ لکھتے ہیں:

'' نَحْرُ الصَّدْرِ سینے کے اُوپر کا حصہ'' جہاں ہار پہنایا جاتا ہے۔ نَحَرَ الْبَعِیْرَ نَحَرَہٗ نَحْرًا۔ اُس نے اُونٹ کے سینے سے متصل اُس جگہ پر نیزہ مارا جہاں سے حلق شروع ہوتا ہے۔ (تاج العروس ملخصاً)

اس کے بعد علامہ مذکور نے وہ تمام اقوال نقل کیے ہیں جو میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ ان میں دو باتوں کا اضافہ کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

1. اُونٹوں کو ذبح کرنا۔
2. خواہشات کا قلع قمع کرنا۔ (ایضاً)

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

نَحَرَ کے معنی ہیں کامل دست گاہ حاصل کر لینا، حاوی ہو جانا، نَحَرْتُ الشَّیْءَ عِلْمًا۔ میں علم کے ذریعہ اُس پر حاوی ہو گیا۔ (اساسُ البلاغۃ)

علامہ بستانی لکھتے ہیں:

نَحَرَ کے معنی ہیں اچھی طرح علم حاصل کر لینا۔ نَحَرَ الْاُمُوْرَ عِلْمًا۔ اُس نے معاملات کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ اَلنَّحْرُ وَالنِّحْرِیْرُ کے معنی ہیں ماہر، تجربہ کار، کامل دست گاہ رکھنے والا ہر چیز کو سوچ سمجھ کر اپنانے والا اور ڈٹ کر اُس پر عمل پیرا ہونے والا۔ (مُحیطُ المُحیط)

ہمارے زمانے کے مشہور ماہر لغت علامہ سعدا لجیلانی لکھتے ہیں:

لفظ نَحَرَ بنیادی طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہ کسی نظریہ کو، کسی علم کو یا کسی عقیدہ کو غور و تدبُّر کے بعد قبول کرنا اور پھر اُس پر مستحکم ہو جانا، یا کسی علم پر پوری بصیرت سے حاوی ہو جانا اور پھر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل پیرا ہونا، تو قرآنِ حکیم میں "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کا مفہوم ہوگا۔ پس نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے مستقل مزاجی سے کوشش کر۔ جب تیسری صدی ہجری میں قوی عمل مفلوج ہوئے اور صلوٰۃ کے مفہوم کو صرف ابتدائی ارکان پر منحصر سمجھا گیا تو نَحَرَ کے وہ عجیب معانی بھی پیدا کئے گئے کہ اُس کے معنی ہیں نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا وغیرہ۔ اُس کے کچھ عرصہ بعد مجاہد اور اسماعیل بن ابی خالد وغیرہما نے یہ اُپج نکالی کہ نَحَرَ کے معنی ہیں قربانی کرنا اور اس قربانی سے گائے، بیل، بھیڑ، بکری وغیرہ ہر چیز کا ذبح کرنا مراد لے لیا گیا۔ حالانکہ پہلے مجازاً یہ لفظ اُونٹ کے ذبح کرنے پر

بولا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی نَحَرَ کا بنیادی مفہوم پیشِ نظر تھا۔ اُونٹ کو کھڑا کر کے اچھی طرح سے اُس کا حلق تاک کر نیزہ اِس طرح سے نہ مارنا کہ وہ گر جائے بالکل اِن معانی کے مشابہ ہے کہ ایک نظریہ کو نصبُ العین بنایا جائے۔ پھر اُس کے ساتھ شعوری لگن پیدا کی جائے اور پھر اس طرح عمل کیا جائے کہ نصبُ العین حاصل ہو جائے۔ (مقدمہ لسانُ القرآن ص ۴۲)

اِن تصریحات سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اوّل تو نَحَرَ سے ذبح کرنا مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اور اگر یہ معانی لے بھی لئے جائیں تو پھر بھی صرف یہ ثابت ہو گا کہ ''اُونٹ ذبح کر'' کیونکہ نَحَرَ کا لفظ اور کسی جانور کے لئے بولا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ علامہ رازی نے اِس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ بھی سُن لیجئے۔

چونکہ نماز بدنی عبادات میں سب سے افضل ہے، اِس کے ساتھ قربانی کی قسموں میں سب سے عظیم قربانی کا ذکر کیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸)

یعنی امام رازیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی تو تمام جانوروں کی ہو سکتی ہے۔ لیکن نماز کے ساتھ افضل قربانی کا ذکر کیا گیا۔ گویا اُونٹ کی قربانی باقی جانوروں کی قربانی سے افضل ہے۔ اِس لئے وَانْحَرْ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو قربانی کو سنتِ ابراہیمیؑ کہتے ہیں، یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السّلام نے مینڈھا ذبح کیا تھا، دُوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اُونٹ کی قربانی مینڈھے کی قربانی سے افضل ہے۔ اِس کے

علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ علامہ رازی جیسے معقول انسان کو یہ غیر معقول دلیل اس لئے تراشنا پڑی کہ روایات اُن کے ذہن میں گھر کر چکی تھیں اور وہ قرآن کے مُنہ میں روایات کی زبان رکھ کر باتیں کرانا چاہتے تھے۔ اسی چیز کو تفسیر بالرّائے کہنا چاہیے۔

چلئے ہم نے ایک لمحہ کے لئے یہ بھی مان لیا کہ یہاں وَانْحَرْ کے معنی ہیں ”اُونٹ، گائے، بکری، بھیڑ ذبح کر“ لیکن پھر وُہی اعتراض ہے کہ آپ یہ کہاں سے ثابت کریں گے کہ اس سے وُہی معرُوف قربانی مُراد ہے جو ہر سال حج کے ایّام میں دُنیا کے ہر گوشے میں ہر مُسلمان کرتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور اعتراض بھی ہے کہ معرُوف قول کے مُطابق یہ سُورۃ مکّی ہے تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ مکّہ مکرّمہ میں نبی اکرم صلَّی اللّٰہُ علیہِ وَسلَّم نے قربانی کی تھی۔ اگر نہیں کی تو کیا آپ حُکمِ خُداوندی کی خلاف ورزی کرتے رہے؟ (معاذ اللہ)

یہی دو آیتیں ہیں جن سے یہ لوگ قربانی کے حُکم پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر آپ دیکھ چُکے کہ ان حضرات کا استدلال کتنا کمزور ہے۔

احادیث اور قربانی

اب آیئے احادیث کی طرف۔ پُورے ذخیرہ روایات میں دو احادیث ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلَّی اللّٰہُ علیہِ وَسلَّم نے قربانی کا حُکم دیا۔ ایک نظر ان کو مُلاحظہ فرما لیجئے۔

نبی اکرم صلَّی اللّٰہُ علیہِ وَسلَّم نے عرفات کے میدان میں فرمایا کہ لوگو! گھر والے پر سال میں ایک مرتبہ قربانی ہے اور ایک مرتبہ عتیرہ[1] (ابُو داوٗد، ترمذی، ابنِ ماجہ، نسائی)

اس روایت میں قربانی اور عتیرہ دونوں کا حُکم دیا گیا ہے، لیکن مُحدّثین کہتے ہیں کہ عتیرہ بالاتفاق منسُوخ ہے۔ رہی قربانی تو علامہ ابنِ حزم کا ارشاد سُن لیجئے۔

اس روایت کی اسناد میں، ابو رملہ خامدی واقع ہُوا ہے جو ماہرینِ فن کے نزدیک مجہُولُ الحال اور گمنام قسم کا راوی ہے۔ (المحلّٰی۔ ج ۷)

دُوسری روایت جو بڑے طُمطراق سے پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:

جناب ابُو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ جو صاحبِ حیثیت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ (مُستدرک حاکم، بُخاری، ج ۲، ابنِ ماجہ)

اس روایت پر بھی علامہ ابنِ حزم نے قلم اُٹھایا ہے، فرماتے ہیں:

”مُحدّثین و مُحققین نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد بالآخر عبدُاللہ بن عیاش بن عباس پر منتہی ہوتی ہیں جو نہایت مجرُوح اور حد درجہ ناقابلِ اعتبار تھا۔ (المحلّٰی۔ ج ۷)

قارئین! قربانی کی طرف سے اس سلسلہ میں، دو اور روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، ہم انہیں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے۔

---

[1] قربانی سے تو ذوالحجّہ کا ذبیحہ مُراد ہے اور عتیرہ کہتے ہیں دس رجب کے ذبیحہ کو۔ (غیاض العقاد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ میں دس سال تک رہے اور قربانی کرتے رہے۔
(مسند احمد، ج ۷، ترمذی)

اس روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ قربانی کب واجب ہوئی تھی۔ اگر وہ حج کے ساتھ واجب ہوئی تو دس سال کا عرصہ کہاں ہوا، کیونکہ بالاتفاق ۶ھ کے بعد ہی حج فرض ہوا تھا، لیکن اس سلسلہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ انہی لوگوں کا ایک اصول بیان کردیتے ہیں جو ان کے استدلال کی عنکبوتیت واضح کررہا ہے۔ مشکوٰۃ کے مشہور شارح علامہ ابوالحسن عبیداللہ کہتے ہیں:

کسی عمل پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دوام اور مواظبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل حقیقتاً بھی ضروری ہے۔ (شرح مشکوٰۃ۔ ج ۲)

اوّل تو یہ تسلیم کرنا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دس سال تک قربانی کی، خلافِ حقیقت ہے اور اگر اسے مان بھی لیں تو شارحِ مشکوٰۃ کے قول کے مطابق یہ کیسے لازم آیا کہ وہ عمل اُمت کے لئے شرعی طور پر واجب ہے۔

ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجئے۔

جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر قربانی کا ارادہ کیا اُسے چاہئے کہ ذبح کرنے سے پہلے نہ تو بال ترشوائے نہ ناخن کاٹے۔ (ابوداود، نسائی)

اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قربانی کی شرائط بالوں کو نہ ترشوانا اور ناخن نہ کاٹنا بتا رہی ہیں کہ جس طرح ان کی پابندی ضروری ہے اسی طرح قربانی بھی ضروری ہے۔ حالانکہ یہ استدلال بڑا ہی خام ہے۔ کیونکہ یہاں

قربانی کو ارادے پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے۔ رہا اس کی شرائط کی پابندی کا سوال تو وہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص نفلی روزہ کا ارادہ کر کے روزہ رکھ لے تو اب اس پر وہ تمام پابندیاں عائد ہو جائیں گی جو فرض روزوں پر ہیں۔

غرض یہی کچھ ہیں وہ دلائل جن کی بناء پر قربانی کو ضروری ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ائمہ نے قربانی کی کیا حیثیت سمجھی ہے۔

قربانی اور فقہا

علامہ ابنِ ارشد لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خوشحال شہری جو حالتِ سفر میں نہ ہوں، ان پر قربانی واجب ہے، مسافروں پر نہیں۔ لیکن امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک قربانی واجب نہیں۔ (ہدایۃ المجتہد۔ ج ۱)

فقہ حنفی امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے عبارت ہے۔ کہیں کہیں امام ابوحنیفہؒ کے اقوال پر فتویٰ دیا جاتا ہے لیکن زیادہ تر امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن نہ معلوم اس معاملہ میں کس دلیل کی بناء پر امامِ اعظمؒ صاحب کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اسے سُنّتِ مؤکدہ قرار دیتے ہیں مگر وہ بھی ایسی کہ کرنے والے کو ثواب ملے گا اور تارک پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ کرنے والا ثواب کا مستحق ہے۔ اور ترک کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱)

قربانی واجب نہیں، اجماعِ صحابہؓ

اب ذرا اِس امر پر غور کیجئے کہ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی قربانی کو واجب سمجھتے تھے۔ اِس سلسلے میں سب سے پہلے تو حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا عمل مُلاحظہ فرمایئے۔

امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ:

ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عُمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ قُربانی نہیں کرتے تھے۔ اِس اندیشے سے کہ کہیں اُنہیں دیکھنے والے قُربانی کو ضروری نہ سمجھیں۔ (کتابُ الاُم۔ ج ۲)

حضرت ابُومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مُتعلق شمسُ الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ:

حضرت ابُومسعود انصاریؓ نے فرمایا۔ میرے پاس صبح شام ایک ہزار بکریاں آتی جاتی تھیں اور مَیں نے اِس خوف سے قُربانی نہ کی کہ کہیں لوگ اِسے ضروری نہ سمجھ لیں۔ (المبسُوط۔ ج ۱۲)

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مُتعلق علّامہ ابنِ رُشد نے لکھا ہے۔

ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اِسے واجب خیال نہیں کرتے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے دو درہم دے کر گوشت خریدنے کے لئے بھیجا اور کہا کہ جو ملے اُسے کہہ دینا کہ یہی ابنِ عبّاس کی

قُربانی ہے اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مُتعلق روایت ہے کہ اُنہوں نے مُرغ ذبح کیا۔ (ہدایۃُ المُجتہد۔ ج ۱)

اِس روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ اُس وقت قُربانی کا رواج اِس قدر کم تھا کہ قُربانی کے روز گوشت فروخت ہو رہا تھا۔

حضرت ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عُمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تعامُل کے مُتعلق امام ابنِ حزم نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مَیں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عُمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ قُربانی کو اِس خیال سے مکرُوہ جانتے تھے کہ کہیں لوگ اِس کی اِقتداء ضروری نہ سمجھ لیں۔ (المُحلّٰی۔ ج ۷)

امام مذکُور نے حضرت ابُومسعودؓ کا قول اِن الفاظ میں نقل کیا ہے۔

بلاشُبہ مُسلمانوں کی سہولت اور یُسر کے خیال سے میں قُربانی ترک کر دینے کا ارادہ کر چُکا ہُوں۔ کیُونکہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اِسے ضروری سمجھ لیں گے۔ (المُحلّٰی۔ ج ۷)

شارحِ مشکوٰۃ علّامہ ابُوالحسن عُبیدُاللہ نے امام بیہقی کی صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

حضرت ابُوبکرؓ، عُمرؓ، ابنِ عبّاسؓ، بلالؓ اور ابنِ عُمرؓ صرف اِس اندیشہ سے قُربانی کو مکرُوہ سمجھتے تھے کہ کہیں اُنہیں دیکھ کر لوگ اِسے ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔ (شرحِ مشکوٰۃ۔ ج ۲)

انہی شواہد کی بناء پر امام ابنِ حزم لکھتے ہیں:

کسی ایک صحابیؓ سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے۔ (المحلّٰی ۔ ج ۷)

ابنِ حزم کی طرح ابنِ حجر اور شارح مشکوٰۃ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی بھی ذبیحہ عیدِ قربان کے وجوب کا قائل نہیں تھا۔ (شرح مشکوٰۃ ۔ ج ۲)

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک قربانی واجب نہیں۔ امام نووی نے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ، بلالؓ، ابومسعود البدریؓ، سعید بن المسیب، علقمہ، اسود، عطاء، مالک، احمد، ابو یوسف، اِسحٰق، ابوثور، مزنی، ابنُ المنذر اور داؤد وغیرہم بھی اسے واجب نہیں سمجھتے۔ بحر میں ہے کہ ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ بھی اسے واجب نہیں سمجھتے تھے۔ (نیل الاوطار ۔ ج ۵)

علامہ ابوالحسن عُبیدُ اللہ نے اس فہرست میں مندرجہ ذیل ناموں کا اضافہ کیا ہے۔

سعید بن جُبیر، حسن بصری، طاؤس، ابوالشعثاء، جابر بن زید، محمد بن علی بن الحسین، سُفیان بن علیہ، عُبیدُ اللہ بن الحسن اور ابوسلیمان وغیرہم نے بھی قربانی کو واجب نہیں سمجھا۔ (المحلّٰی ۔ ج ۷)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:

''قربانی کو واجب بتا کر حنفیہ نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔'' (ایضاً)

انہی شواہد و نظائر کی بناء پر امام موصوف نے فیصلہ دیا ہے کہ:

''جو شخص نیک نیتی سے قربانی نہیں کرنا چاہتا اُس پر نہ کوئی عتاب ہے نہ شرعی قباحت۔'' (ایضاً)

قربانی کے متعلق بعض دیگر روایات

اب قربانی کے متعلق اور روایات بھی سُن لیجئے جو اُس کے وجوب کو ختم کرتی ہیں۔

ابورافع سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدُ الاضحیٰ کے روز ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا۔ ''میرے اللہ! یہ میری ساری اُمت کی طرف سے ہے جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ پھر دُوسرے مینڈھے کو ذبح کیا اور فرمایا۔ میرے اللہ! یہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اُس کے بعد بنو ہاشم میں سے کسی کو قربانی کرتے نہیں دیکھا۔'' (مسندِ احمد)

حضرت ابنِ عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مجھے چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ مجھے قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ (مسندِ احمد)

یہی روایت اِن الفاظ میں بھی بیان فرمائی:

تین چیزیں میرے لئے فرائض کا درجہ رکھتی ہیں اور تمہارے لئے نوافل کا۔ قربانی، وتر اور چاشت کی نماز۔ (بزاز، ابنِ عدی، حاکم)

ایک اور جگہ ہے:

مجھ پر قربانی فرض ہے اور تم پر نہیں۔ مجھے چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ (مسند ابو یعلی)

خلاصۂ مباحث

اب ذرا قطع کردہ منازل پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

۱ قرآنِ حکیم میں کہیں بھی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا۔

۲ کوئی صحیح حدیث قربانی کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مختص کرلیا تھا۔

۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے واجب نہیں سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصوصیت سے قربانی نہیں کرتے تھے۔ پس اگر وہ روایات صحیح ہوتیں۔ جن میں قربانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو یہ حضرات کبھی ایسا نہ کرتے۔

۴ جمہور ائمہ اسے ضروری خیال نہیں کرتے۔

۵ صرف امامِ اعظمؒ ابو حنیفہ اسے واجب سمجھتے ہیں۔

کفر و ایمان کا فیصلہ آپ پر ہے

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا قربانی (جس کا حکم کہیں صراحت سے نہیں) کا منکر کافر ہے یا مسلمان! اگر اس معاملہ میں آپ امامِ اعظمؒ ہی کو برسرِ حق

قرار دیں تب بھی آپ قربانی کے منکر کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک واجب کی تعریف یہ ہے۔

"واجب وہ ہے جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ عملاً لازم ہے اعتقاداً نہیں۔ چنانچہ اس کا منکر کافر نہیں کیونکہ ظنی دلیل سے ثابت شدہ حکم کی بناء پر کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱)

قربانی یا نقد قیمت

اب رہا یہ سوال کہ زید کہتا ہے:

"ہر سال جتنے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اگر ان کی قیمت حکومت کے حوالہ کردی جائے تو سینکڑوں رفاہِ عامہ کے کام ہو سکتے ہیں۔"

تو میرے بھائی اس بات سے کسے انکار ہے۔ دینِ اسلام کے تمام احکام معقول مصالح پر مبنی ہیں۔ اگر ہر سال اتنے جانوروں کا ضیاع بھی کوئی منفعت بخش فعل ہے تو آپ منہ پر مہر لگائے کیوں بیٹھے ہیں۔ ذرا وہ مصلحت تو بتا دیجئے۔ اگر آپ غلط عقائد کی پیدا کردہ جذباتیت سے بلند ہو کر سوچیں تو آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اگر حکومتِ عادل کو یہ رقم اکٹھی کر کے دی جائے تو حکومت بڑے مفید کام کرسکتی ہے۔ اور صرف آپ ہی نہیں، ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچے گا بلکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچے تھے۔ سنئے امام ابنِ حزم کیا کہتے ہیں:

سوید بن غفلہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا۔ ''میں اگر قربانی کرتا تو مجھے کوئی خوف نہ ہوتا کہ بکرے کی بجائے مرغا لے کر ذبح کر دوں۔ لیکن میرا تو یہ خیال ہے کہ ذبیحہ کے نقد پیسے مسکین کو دے دوں جو انتہائی ضرورت مند اور محتاج ہو۔ میرے نزدیک جانور ذبح کرنے سے یہ فعل افضل ہے۔'' (المحلّٰی ج ۷)

صاحبِ ہدایہ قربانی کرنے کو قیمت خیرات کرنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قیمت خیرات کرنے سے قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اُن کا قول ہے کہ:

''قربانی کے دِنوں میں قربانی کرنا، جانور کی قیمت خیرات کر دینے سے افضل ہے۔'' (ہدایہ۔ ج ۴)

میں نے اپنی طرف سے جو حق سمجھا اُسے واضح کر دیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

(۱۹۶۴ء)